ماہنامہ

# میثاق

لاہور

جنوری ۱۹۷۸ء

☆

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

☆

شائع کردہ :

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور

فون : 352611

وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

# ماہنامہ میثاق لاہور


| جلد ۲۷ | ماہ جنوری ۱۹۷۸ء | شمارہ ۱ |
|---|---|---|


## مشمولات


| | | | |
|---|---|---|---|
| عرضِ احوال | ڈاکٹر اسرار احمد | صفحہ | ۱ |
| سورہ قرآنی کے مضامین کا تجزیہ | | | |
| از سورۂ رعد تا سورۂ کہف | ,, ,, ,, | ,, | ۱۱ |
| شرک اور اقسام شرک (م) | ,, ,, ,, | ,, | ۳۳ |
| دعوت الی اللہ (م) | مولانا وصی مظہر ندوی | ,, | ۴۰ |
| مسیحی رہبانیت | شفقت حسین انجم | ,, | ۵۳ |
| 'ابوالکلامیات' | ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی | ,, | ۶۲ |
| روح انتخاب | مولانا ابوالاعلیٰ مودودی | ,, | ۶۳ |



مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن

مقام اشاعت : ۳۶ ، کے ۔ ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور (فون : ۳۵۲۶۱۱)

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے باہتمام چودھری رشید احمد (ط ع) مکتبہ جدید پریس
شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ،
۳۶ ۔ کے ۔ ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور سے شائع کیا

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ احوال

۱۹۷۷ء ختم ہوا اور ۱۹۷۸ء شروع ہوگیا۔ اور اس طرح لاہور میں راقم الحروف کو درس و تدریسِ قرآن اور تعلیم و تعلّمِ قرآن کی باقاعدہ اور پیہم خدمت سرانجام دیتے ہوئے بارہ سال مکمّل ہوگئے اور تیرھواں شروع ہوگیا —— ان میں سے پہلے چھ سالوں کے دوران راقم نے یہ کام تن تنہا بھی کیا اور جُز وقتی طور پر بھی یعنی ع

ہے مشقِ سخن جاری ، چکّی کی مشقّت بھی !

کے مصداق کبھی کرشن نگر ، کبھی دل محمد روڈ ، کبھی سانڈہ ، کبھی ڈھولن وال کبھی گڑھی شاہو کبھی سمن آباد۔ الغرض لاہور کے طول و عرض میں "حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن" کے قیام و تنظیم کی دوڑ دھوپ بھی جاری رہی اور ساتھ ہی میڈیکل پریکٹس کا سلسلہ بھی جاری رہا —— اس کے بعد یہ کام ایک جانب تو ہمہ تن بھی ہوگیا اور ہمہ وقت بھی ، اور دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے کچھ اعوان و انصار بھی عطا فرما دیئے۔ چنانچہ یہ سلسلہ منظّم بھی ہوگیا اور وسعت پذیر بھی!

سال ۱۹۷۷ء کے دوران پاکستان جس بحرانی کیفیت سے دوچار رہا اُس کے باعث کام کی رفتار اور مقدار دونوں میں گذشتہ سالوں کے مقابلے میں بہت کمی رہی —— تاہم بحمد اللہ ! نہ تو یہ ہوا کہ حالات کے دباؤ یا جذبات کے بہاؤ میں ہم اپنے طے کردہ طریقِ کار اور سوچ سمجھ کر اختیار کردہ راہِ عمل سے بال برابر ہٹے ہوں —— اور نہ ہی یہ ہوا کہ دل برداشتہ اور مایوس ہو کر ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھ رہے ہوں ، بلکہ بتوفیقِ ایزدی ، جتنا بھی ممکن ہوسکا اور جس قدر بھی حالات نے اجازت دی ہم اپنے متعیّن خطوط ہی پر کام کرتے رہے۔ جس زمانے میں عوامی تحریک اپنے عُروج ( CLIMAX ) پر تھی اور جذبات کی شدّت آخری حُدود کو چھُو رہی تھی ، بعض رُفقاء و احباب کے قدم ذرا کے ذرا لڑکھڑائے بھی ، لیکن بفضلہ تعالیٰ باستثنائے واحد او اثنین ع "چڑھی ہے یہ آندھی اُتر جائے گی !" کے مصداق یہ ریلا جلد ہی گذر گیا !

● لاہور میں مسجدِ شہداء، مسجدِ خضراء اور قرآن اکیڈمی کے اجتماعات پابندی کے ساتھ جاری رہے۔ مسجدِ خضراء میں ایک دو مواقع پر قدرے ناخوشگوار صورتِ حال بھی پیدا ہوئی لیکن بحمداللہ! خطابِ جمعہ میں سوائے ایک یا دو مرتبہ کے، جب کرفیو کی شدید پابندیوں کے باعث ماڈل ٹاؤن سے سمن آباد جانا ہی ممکن نہ تھا، کوئی ناغہ نہیں ہوا۔ چنانچہ مسلسل مطالعۂ قرآن کے ضمن میں اللہ کے فضل و کرم سے وہاں سترہ پارے مکمل ہو چکے ہیں اور جمعہ ۱۳ جنوری کو اٹھارویں پارے اور سورۂ مومنون کا آغاز ہو گیا ہے ـــــ مسجدِ شہداء میں البتہ درس کا سلسلہ ایک ڈیڑھ ماہ بند رہا۔ اس لئے کہ ریگل چوک نے اب موچی دروازے کی حیثیت اختیار کر لی ہے ـــــ تاہم وہاں بھی یہ وقفہ بہت ہی مختصر رہا، اور بقیہ پورے سال درس باقاعدگی سے جاری رہا۔ چنانچہ اب وہاں مسلسل درسِ قرآن کے ضمن میں سورۂ انعام زیرِ مطالعہ ہے! ـــــ قرآن اکیڈمی میں مطالعۂ قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب کے درس کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ بھی پابندی کے ساتھ جاری رہا۔ چنانچہ وہاں بھی منتخب نصاب لگ بھگ دو تہائی مکمل ہو چکا ہے۔ تحریک کی شدت کے زمانے میں کرفیو وغیرہ کی پابندیوں کے باعث مسجدِ خضراء اور مسجدِ شہداء میں کام کی جو کمی مجبوراً واقع ہوئی، اُس کی کسی قدر تلافی ماڈل ٹاؤن میں 'ای' (E) بلاک کی مسجد میں روزانہ بعد نمازِ مغرب درسِ قرآن سے ہو گئی۔ جس میں آخری پارے کی ان سورتوں کا درس دیا گیا جو بالعموم نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں ـــــ گویا لاہور کی حد تک اس سال کے دوران بھی کام کی رفتار یا مقدار میں کوئی قابلِ لحاظ کمی نہیں ہوئی۔

البتہ بیرونِ لاہور آمد و رفت کا سلسلہ بہت متاثر ہوا۔ چنانچہ فروری ۷۷ء کے بعد کراچی بھی جولائی میں جانا ہوا ـــــ اور سکھر یا راولپنڈی تو نومبر سے قبل جانا ممکن ہی نہ ہو سکا۔

● ـــــ کراچی میں دسمبر ۱۹۷۶ء میں ایک آٹھ روزہ تربیت گاہ میں کامل سورۂ کہف کا درس دیا گیا تھا۔ پھر فروری ۷۷ء میں تین دنوں میں پوری سورۂ مریم کا درس ہوا۔ اس کے بعد جولائی میں چار یا پانچ دن میں پوری سورۂ طٰہٰ بیان ہوئی۔ یہ سارے پروگرام حسبِ معمول جمعیت الفلاح ہال میں ہوئے۔ ستمبر کی تیئیس ۲۳ اور چوبیس ۲۴ تاریخوں کو جامع مسجد پاپوش نگر میں سورۂ فرقان کے آخری رکوع کا درس ہوا۔ اور ساتھ ہی ایک خطاب کراچی ہائی کورٹ

بار ایسوسی ایشن کے اجلاس سے "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر ہوا۔ نومبر میں پھر جمعیت الفلاح ہال ہی میں چار روزہ درس میں سورۂ حج کا بیان ہوا۔ ارادہ تو پوری سورۃ کے درس کا تھا، لیکن یہ ممکن نہ ہوسکا اور ۷۸ آیات میں سے پہلی ۱۴ اور آخری چھ آیات ہی بیان ہوسکیں۔ اور اواخر دسمبر میں پھر ایک سات روزہ تربیت گاہ میں کامل سورۂ بنی اسرائیل کا درس ہوا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَلَہُ الْمِنَّۃ! ؎

مِنّت مَنہ کہ خدمتِ سُلطاں ہمی کُنی ۔۔۔ مِنّت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

● — راولپنڈی میں ماہِ نومبر میں ایک تو ۲۹ کی شام کو ہوٹل انٹرکانٹیننٹل میں 'شامِ ہمدرد' کے اجتماع میں "استحکامِ پاکستان اور اسلام" کے موضوع پر خطاب ہوا۔ (یادش بخیر! ہمدرد کی شاموں میں راقم الحروف کی پہلی شمولیت فروری ۷۷ء میں لاہور میں ہوئی تھی۔ جس میں "انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج" پر مقالہ پڑھا گیا تھا۔ جسے بعد میں سامعین ہی سے ایک صاحب نے اپنے خرچ پر تین ہزار کی تعداد میں طبع کرا کے مفت تقسیم کرایا تھا!)۔ اور دوسرے ۳۰ نومبر اور یکم اور ۲ دسمبر کی شام کو 'دارالشفقت' فیض آباد کے 'حیات بخش ہال' میں یعنی عین اُسی مقام پر جہاں سوا ڈیڑھ سال قبل نہایت کامیاب آٹھ روزہ قرآنی تربیت گاہ منعقد ہوئی تھی۔ پوری سورۂ حدید کا درس دیا گیا۔ گمان یہ تھا کہ چونکہ راولپنڈی سے تعلق بھی زیادہ پرانا نہیں تھا اور پھر وقفہ بھی بہت طویل پڑ گیا تھا لہٰذا حاضری بہت کم ہوگی لیکن یہ دیکھ کہ حد درجہ خوشگوار حیرت کا سامنا ہوا کہ حاضری بھی بہت اطمینان بخش تھی اور جوش و خروش میں بھی ہرگز کوئی کمی نہ تھی۔ وہاں کی انجمن کے صدر خواجہ غلام محمد بٹ صاحب بھی بڑھاپے اور معذوری کے باوصف بہت باہمت ہیں اور معتمد ڈاکٹر کرنل (ریٹائرڈ) عبدالغفور شیخ تو بحمداللہ بالکل جوان معلوم ہوتے ہیں اور کسی بھی طرح نہ 'ٹائرڈ' (TIRED) نظر آتے ہیں نہ "ریٹائرڈ" (RETIRED)۔

● — سکھر کے رفقاء کی جانب سے مارشل لاء لگنے کے بعد ہی سے اصرار شروع ہوگیا تھا لیکن میری کوتاہی کہ دسمبر سے قبل وہاں جانا نہ ہوسکا۔ اسی دوران میں ایک مطالبہ لاڑکانہ سے بھی بہت شدت اختیار کرگیا۔ چنانچہ دسمبر کے اوائل میں ایک سفر میں دونوں تقاضوں کو پورا کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اِدھر اچانک ایک نہایت پُرزور درخواست ــــــ 'فاروقِ اعظم آرگنائزنگ کمیٹی کراچی' کے چیئرمین جناب سُہیل احمد خان صاحب کی طرف سے

موصول ہو گئی کہ ان کے زیر اہتمام دو روزہ 'شہادت کانفرنس' میں جیسے بھی ہو ضرور شرکت کروں! ——— چنانچہ ایک طوفانی دورہ بن گیا۔ جمعہ ۹ دسمبر کو لاہور میں مسجد شہداء کے درس اور مسجد خضراء کے خطاب جمعہ کے فوراً بعد بذریعہ ہوائی جہاز کراچی گیا اور اسی رات کو لگ بھگ گیارہ بجے سے ایک بجے تک کانفرنس کی دوسری نشست سے خطاب کیا۔ الحمدللہ کانفرنس بہت کامیاب تھی۔ اور حاضرین کی تعداد بھی بہت تھی اور ان کا ذوق و شوق بھی آخری دم تک قائم رہا۔ بلکہ ان کی جانب سے تو معاملہ "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ؟" والا تھا۔ خود ہی یہ سوچنا پڑا کہ کل لاڑکانہ بھی جانا ہے!

● ہفتہ ۱۰ دسمبر کو بذریعہ ہوائی جہاز ہی لاڑکانہ جانا ہوا۔ وہاں زندگی میں پہلی بار جانے کا اتفاق ہوا تھا اور خیال یہ تھا کہ یہاں میرے جاننے والوں کی تعداد دو چار سے زیادہ کیا ہوگی! لیکن اللہ کا کرم ——— اور رفیق محترم جناب نور محمد صاحب پہنچوآ اور ان کے دست راست جناب چٹھہ صاحب کی محنت و مشقت کہ شام کو بعد مغرب درس قرآن میں دو صد کے لگ بھگ لوگ جمع ہو گئے اور سب کے سب تعلیم یافتہ اور باشعور! ——— دوسرے روز بعد فجر پھر درس ہوا اور اس میں بھی حاضری توقع سے بہت زیادہ رہی!

● اتوار ۱۱ دسمبر کو بذریعہ کار لاڑکانہ سے سکھر آنا ہوا ——— اور اسی روز اور اگلے دن بعد مغرب مکی مسجد میں درس قرآن ہوا جس میں سورہ کہف کے بعض حصے بیان کئے گئے۔ وہاں بھی اندازہ ہوا کہ غالباً طویل وقفے کے باعث 'پیاس' بہت بڑھی ہوئی تھی۔ سکھر میں راقم کی آمد و رفت کا سلسلہ چھ سات سال سے قائم ہے لیکن اس سے قبل راقم کو یاد کو نہیں پڑتا کہ کم از کم مکی مسجد کے اجتماعات میں کبھی اتنی حاضری ہوئی ہو۔ رفیق محترم مکرم نجیب صدیقی صاحب کے پاس ایک سال قبل کے کراچی کے سورہ کہف کے دروس کے ٹیپ موجود تھے۔ چنانچہ وہاں کی انجمن کی جانب سے اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ ہر جمعہ کو اجتماع منعقد ہوگا اور اس میں یہ ٹیپ سلسلہ وار سنائے جائیں گے۔ اللہ کرے کہ یہ سلسلہ جاری رہے!

---

سالانہ قرآن کانفرنس لاہور میں اواخر مارچ میں منعقد ہوا کرتی ہے۔ گذشتہ سال

بھی ۲۵ تا ۲۷ مارچ کی تاریخیں معین تھیں اعلان ہو چکا تھا۔ اور مقررین سے بھی رابطہ قائم کیا جا چکا تھا اور ان سے بھی جن کو صدارت کے لئے مدعو کرنا تھا۔ لیکن مارچ کے انتخابات کے بعد جو کچھ ہوا اس کا سان گمان تک پہلے نہ ہو سکتا تھا چنانچہ سالانہ کانفرنس ملتوی کرنا پڑی۔ نومبر کے آغاز میں خیال آیا کہ اب تو حالات پُرسکون ہیں اگر فروری یا مارچ میں پھر الیکشن ہو گئے (جیسا کہ اس وقت خیال تھا) تو اللہ ہی جانے پھر کیا حالات ہوں۔ کیوں نہ اواخر نومبر میں کانفرنس منعقد کر ہی لی جائے۔ اگرچہ وقت بہت کم تھا تاہم بحمداللہ پورے آٹھ ماہ کے التواء کے بعد ۲۵ تا ۲۷ نومبر ہی کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی چوتھی سالانہ کانفرنس حسب سابق جناح ہال (سابقہ ٹاؤن ہال) میں منعقد ہوئی۔

جمعہ ۲۵ نومبر کو دو نشستیں منعقد ہوئیں، ایک صبح ۸½ تا ۱۲ "عظمتِ قرآن و صاحبِ قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم)" کے موضوع پر زیر صدارت مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ جس میں ابتداءً راقم نے سورۂ مائدہ کے آخری دو رکوعوں کا درس دیا اس لئے کہ یہ وقت مسجد شہداء کے ہفتہ وار درس کا تھا جس میں اُس روز اسی مقام کا درس ہونا تھا۔ دوسری شام کو بعد نماز مغرب "علامہ اقبال اور قرآن حکیم" کے موضوع پر زیر صدارت پروفیسر مرزا محمد منور صاحب جس میں سب سے زیادہ دلچسپ خطاب حسب معمول پروفیسر یوسف سلیم چشتی مدظلہ ہی کا تھا۔

ہفتہ ۲۶ نومبر کو ایک ہی نشست ہوئی۔ یعنی شام کو بعد مغرب ——— "قرآن اور فکر جدید" کے موضوع پر، جناب ڈاکٹر سلیم فارانی صاحب کی صدارت میں۔ اسی طرح اتوار ۲۷ نومبر کو بھی شام کا ایک ہی اجلاس ہوا۔ بعنوان ——— "قرآن حکیم، احیائے اسلام اور استحکام پاکستان" ——— زیر صدارت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ۔ جس میں راقم نے ایک مستقل خطاب "استحکام پاکستان اور اسلام" کے موضوع پر کیا۔

یہ کانفرنس اپنے پروگرام، تقاریر و مقالات اور شرکاء کی تعداد اور جوش و خروش کے اعتبار سے فی نفسہٖ پوری طرح کامیاب ہونے کے باوجود سابقہ کانفرنسوں کے ہرگز ہم پلہ نہ تھی۔ جس کے اسباب بالکل واضح ہیں یعنی ایک یہ کہ فضا قطعاً سازگار نہ تھی اور دوسرے یہ کہ بہت عجلت اور رواروی میں کل انتظام و اہتمام ہوا تھا۔ بایں ہمہ اخبارات ریڈیو اور ٹیلیویژن الغرض جملہ ذرائع ابلاغ عامہ نے جو COVERAGE اسے دیا

وہ ہم ایسے بے نوا درویشوں کے تصوّر میں بھی نہ آسکتا تھا - اخبارات نے تو جو سُرخیاں جمائیں اور خبریں دیں سو دیں، ریڈیو نے بھی ۴ پر مرتب کر کے نشر کیا - اور ٹیلیویژن کے کیمرے بھی روزانہ ہی ہال میں گھومتے نظر آئے اور معلوم ہوا کہ روزانہ کی خبروں میں اس کی جھلکیاں دکھائی گئیں ——— اور ——— ہمیں بحمد اللہ اپنے بارے میں ہرگز کوئی مغالطہ نہیں ہے ——— یہ سب کچھ صرف اس لئے ہو کہ ازرہِ عنایت جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب، چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر اینڈ چیف آف دی آرمی سٹاف نے ایک حد درجہ گرم جوش پیغام اس کانفرنس پر ہمیں ارسال کر دیا تھا جو کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں راقم نے خود پڑھ کر سنایا (اور اس شمارے کے کور پر شائع کیا جا رہا ہے!)

بہرحال اللہ کا شکر ہے کہ سال ۷۷ء سالانہ قرآن کانفرنسوں کے اعتبار سے خالی نہ گیا اور کانفرنس منعقد ہو گئی - اس کانفرنس میں دیگر قابل قدر مقالات کے علاوہ ملک محمد مرتضیٰ صاحب کا مقالہ "قرآن اور احیائے اسلام" ڈاکٹر سلیم فارانی صاحب کا مقالہ "قرآن اور فکر جدید" مولانا سید حامد میاں مدظلہ کا مقالہ "قرآن - کلام الٰہی" حافظ احمد یار صاحب کا مقالہ "شش جہات قرآن" مولانا محمد طاسین صاحب کا مقالہ "قرآن اور نظامِ عدل اجتماعی" ڈاکٹر امان اللہ صاحب کا مقالہ "قرآن اور حقوق انسانی" حکیم فیض عالم صدیقی کا مقالہ "قرآن اور عظمتِ صحابہؓ" بہت پسند کئے گئے ——— محترمہ جمیلہ شوکت صاحبہ کا مقالہ "علامہ اقبال اور حبِّ رسول ﷺ" پڑھکر سنایا تو نہ جا سکا لیکن طبع کرا کے تقسیم کر دیا گیا ——— ڈاکٹر الطاف جاوید صاحب کے مقالہ "علامہ اقبال کے معاشی نظریات" پر کچھ سامعین برہم بھی ہوئے اس لئے کہ اس کے اصل قابل قدر اور فلسفیانہ و حکیمانہ حصّے کو عام طور پر سمجھا نہ جا سکا ——— اور عام فہم حصّہ بہرحال مختلف فیہ تھا - برادر عزیز ڈاکٹر ابصار احمد سلمہٗ نے "اثباتِ وجودِ باری کے لئے قرآن حکیم کا مخصوص طرزِ استدلال" ایسے اہم موضوع پر طبع آزمائی کی - لیکن وہ بھی اس کے پہلے منفی جزو پر تو پورا زور صرف کر گئے کہ عقل اور منطق اس میدان میں سرنگوں ہیں ——— لیکن مثبت پہلو کو کماحقّہٗ واضح نہ کر پائے ——— مقررین کے زمرے میں "پیرِ مغاں" اور "میرِ مجلس" کی حیثیت تو بہرحال پروفیسر یوسف سلیم چشتی ہی کو حاصل رہی - لیکن پروفیسر مرزا محمد منوّر، جناب خالد ایم اسحٰق اور حافظ عبد الرحمٰن المدنی کی تقاریر بھی بہت پسند کی گئیں

۴- نہ صرف یہ کہ روزانہ کی خبروں میں کانفرنس کا ذکر شامل رکھا بلکہ ایک نصف گھنٹے کا فیچر بھی اس

ان سب کے بعد کسی درجے میں شاید راقم کا خطاب بھی تھا۔ افسوس ہے کہ مفتی نعیمی مدظلہ کو وقت ہی بہت کم مل سکا۔ تاہم ان کا خطاب بھی بہت جامع اور دقیع تھا!

اس مرتبہ کانفرنس کے مقالات پر مشتمل کوئی خاص نمبر شائع کرنے کا تو خیال نہیں ہے البتہ انشاء اللہ یہ تمام مقالات تدریجاً شائع کر دیئے جائیں گے۔ مولانا طاسین صاحب کا مقالہ مطبوعہ صورت میں کانفرنس میں بھی تقسیم کر دیا گیا تھا اور گذشتہ شمارے کے ذریعے قارئین 'میثاق' کی خدمت میں بھی پہنچ چکا ہے۔

---

سال ۷۷ء 'پاکستان' بھر میں 'سالِ اقبال' کی حیثیت سے منایا گیا۔ اور ویسے تو اس سلسلے میں پورے سال ہی تقاریب کا سلسلہ جاری رہا لیکن اواخرِ سال میں تو ان میں قرآن حکیم کے ایک لفظ 'متتواً' (متواتر پیہم) کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ راقم اس پر تو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہے کہ اُس نے اسے کسی قدر قوتِ 'بیان' بھی عطا فرمائی ہے اور اسے "الرَّحْمٰنُ ہ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ہ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ہ" کے مصداق اپنے کلام ہی کے بیان کے لئے صرف کرنے کی توفیق بھی ارزانی فرمائی ہے —— تاہم واقعہ یہ ہے کہ اسے اپنے بارے میں یہ مغالطہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ کوئی جادو بیان مقرر یا شعلہ بیان خطیب ہے! — تاہم غالباً اس بنا پر کہ راقم کو علامہ اقبال مرحوم سے ایک گونہ ذہنی تعلق حاصل ہے بہت سے مقامات سے تقریباتِ سالِ اقبال سے خطاب کی دعوت ملی۔ اور راقم امکان بھر امتثال امر میں حاضری دیتا رہا۔ اس ضمن میں دیال سنگھ کالج لاہور کا ایک اجتماع حاضری اور ذوق و شوق کے اعتبار سے بہت قابلِ ذکر تھا۔ گورنمنٹ کالج فارمین سمن آباد اور گورنمنٹ گرلز کالج ماڈل ٹاؤن میں بھی اس سلسلے میں 'پس پردہ' تقریریں ہوئیں۔ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے ہاسٹل کی تقریب بھی بحمداللہ بہت عمدہ رہی۔ کراچی میں پی ایس او (پاکستان اسٹیٹ آئل) کے زیر اہتمام تقریب بھی بڑی شاندار تھی۔ وہاں بھی راقم کا خطاب بحمداللہ بہت پسند کیا گیا۔ اس نوع کی تقاریب میں آخری اور ہر اعتبار سے کامیاب ترین تقریب گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں منعقد ہوئی۔ جہاں راقم نے بہت مفصل خطاب کیا اور راقم کا اپنا احساس یہ ہے کہ اس خطاب کے دوران اسے خصوصی انشراحِ صدر حاصل تھا، فللہ الحمد!

اس سب کے باوجود راقم کو یہ توقع بالکل نہ تھی کہ مرکزیہ مجلسِ اقبال کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے اجتماع میں بھی جسے بلاشک وشبہ اس سلسلے کے "ذروۃ السنام" کی حیثیت حاصل ہے راقم کو خطاب کی دعوت ملے گی، چنانچہ راقم کو بہت حیرت ہوئی جب نہ صرف یہ کہ دعوت ملی بلکہ بہت 'شدومد' سے ملی - یہ اجلاس ۹ر نومبر کو واپڈا آڈیٹوریم لاہور میں منعقد ہوا اور اس میں بلاشبہ لاہور کی لیعنی چوٹی کا باشعور طبقہ موجود تھا - وہاں راقم نے اپنے خطاب میں حمد وثنا کے بعد پہلی بات یہی کہی کہ "مجھے جب اس اجتماع میں شرکت کی دعوت ملی تو میرا پہلا ردّعمل تو حیرانی کا تھا کہ ؎
'مجھ تک کب اُن کی بزم میں آیا تھا دورِ جام!' لیکن فوراً ہی میرا ذہن عربی زبان کے ایک مقولے کے جانب منتقل ہوا کہ 'کَبَّرَنِی مَوْتُ الْکُبَرَاءِ' ——— چنانچہ مجھے یاد آئے آغا شورش کاشمیری مرحوم بھی اور سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ بھی - - - -" راقم نے محسوس کیا کہ اس کا شدید تاثر ماحول پر پیدا ہوا ——— اور بہت سے لوگوں کی آنکھیں نم ہوگئیں - اس کے بعد راقم نے "ملّت اسلامی کی تجدید" کے ضمن میں اقبال کی خدمات کے ضمن میں عرض کیا جو عرض کیا -

بہرحال اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ اس عظیم اجتماع میں لاج رہ گئی ——— اور فوری طور پر خواجہ محمد صفدر صاحب نے مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی دو روزہ اقبال کانفرنس میں شرکت کی پرزور اور مخلصانہ دعوت دی جسے راقم نے قبول کرلیا! افسوس کہ بعد میں مارشل لار کی انتظامیہ نے اس کانفرنس کے انعقاد کی اجازت نہ دی اور کانفرنس منعقد نہ ہوسکی!،

'سالِ اقبال' کے ضمن میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی مجلس منتظمہ کے ایک ایک فیصلہ کے مطابق پروفیسر یوسف سلیم چشتی مدظلہ کی ایک ۱۹۳۲ء کی غیر مطبوعہ تحریر بعنوان "علامہ اقبال مرحوم ——— حیات، فلسفہ اور پیغام" دو ہزار کی تعداد میں شائع کرکے مفت تقسیم کی گئی - بلکہ اس میں محترمہ جمیلہ شوکت صاحبہ کا متذکرہ بالا مقالہ "علامہ اقبال اور حُبّ رسولؐ" بھی شامل کردیا گیا - یہ کتاب بذریعہ ڈاک بھی ارسال کی گئی ——— اور اس کے نسخے علامہ اقبال پر جو بین الاقوامی کانگرس انٹرکانٹینٹل ہوٹل میں منعقد ہوئی اس کے شرکاء میں بھی تقسیم کئے گئے!

راقم الحروف سال یا یوم منانے کا بالکل قائل نہیں ہے اور اِسے 'بدعت' ہی سمجھتا ہے لیکن اُن کے مواقع پر منعقدہ تقریبات کو پیغامِ ربّانی کے ابلاغ، قرآن کی تبلیغ اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے اہم اور اعلیٰ مقاصد کے لئے استعمال کرنے کو عکّاظ کے میلوں میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تبلیغ پر قیاس کرتے ہوئے عین سُنّتِ رسولؐ گردانتا ہے۔ بنا بریں جہاں سے بھی دعوت موصول ہو جاتی ہے حتی الامکان شریک ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس ضمن میں راقم کو اعتراف ہے کہ 'سالِ اقبال' واقعۃً بہت مفید رہا ہے۔ اس لئے کہ یہ بات شدّت سے محسوس ہو رہی تھی کہ یہ قوم اللہ کے کلام اور اُس کے رسولؐ کے پیغام سے تو "مہجور" تھی ہی اقبال کو بھی بالکل بھُول گئی ہے۔ اور ہمارا احساس یہ ہے کہ اس سال کے دوران اس نوع کی تقریبات کے علاوہ ذرائع ابلاغِ عامّہ کے ذریعے پاکستان کی نئی نسل علّامہ مرحوم سے کافی حد تک متعارف ہو گئی ہے اور اِن شاء اللہ العزیز اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے!

---

اہلِ تشیّع کی جانب سے محالسِ محرّم الحرام کے علاوہ پُورے سال کے دوران مختلف ناموں سے یومِ پیدائش، یومِ وفات یا شہادت اور پھر مجالسِ تابوت و چہلم کے عنوان سے تاریخِ اسلامی کے صدرِ اوّل کے بارے میں اپنے مخصوص نقطۂ نظر کی تشہیر و اشاعت کا جو منظّم سلسلہ جاری رہتا ہے، اُس کے ردِّ عمل کے طور پر بڑے بڑے شہروں میں خلفائے راشدین اور دیگر نامور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایّام منانے کا سلسلہ بھی کافی عرصہ سے شروع ہو چکا ہے۔ جن کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس ضمن میں اہلِ سُنّت کے صحیح نقطۂ نظر کو بھی لوگوں کے سامنے لایا جائے! اپنے متذکرۂ بالا مطمحِ نظر ہی کے تحت راقم گذشتہ سالوں کے دوران میں لاہور میں ایسے متعدّد مواقع پر سیرتِ ابوبکر صدّیق رضؓ، سیرت و شہادتِ حضرت عمر فاروق رضؓ اور سیرت و شہادتِ حضرت عثمان غنی رضؓ پر کئی کئی اجتماعات میں تقریریں کر چکا ہے۔ لاہور میں اِس نوع کی مجالس کا اہتمام کرنے والے حضرات سے مَیں نے عرض کر دیا تھا کہ آئندہ مَیں اِن میں اُس وقت شریک ہوں گا جب آپ اسی طرح سیرت و شہادتِ علی حیدرؓ پر بھی اجتماع منعقد کریں ـــــ اس ضمن میں سال ۷۷ء کے دوران راقم نے کراچی میں تو ایک تو ماہِ فروری میں این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی میں منعقد ہونے والی 'شہادت کانفرنس' سے خطاب کیا اور دوسرے پاپوش نگر کے چوک میں ۹ دسمبر کی رات کو دو روزہ شہادت کانفرنس کے آخری اجلاس سے خطاب کیا (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے!) ـــــ

البتہ لاہور میں خود اپنے اہتمام میں ایک اجتماع مسجد شہداء میں عین عاشورے کے دن یعنی ۲۲ دسمبر کو منعقد کیا، جس میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی مدظلہ کی صدارت میں راقم نے لگ بھگ تین گھنٹے کے خطاب میں یہ واضح کیا کہ انقلابِ نبویؐ کی ابتدائی تکمیل تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس فرمادی تھی۔ لیکن اس کے خلاف جو رجعتی قوتیں (COUNTER-REVLUTIONARY FORCES) آنحضورؐ کے انتقال پر اندرونِ عرب اُبھریں (یعنی مدعیانِ نبوت اور مانعینِ زکوٰۃ) اُن کا قلع قمع کرکے انقلابِ نبویؐ کو مستحکم (CONSOLIDATE) کرنے کی خدمت حضرت ابوبکرؓ نے سرانجام دی۔ چنانچہ انقلابِ نبویؐ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ ظہور پذیر ہوا دورِ خلافتِ فاروقی رضؓ میں جو نظامِ اسلامی کیلئے گویا "LILLY IN BLOOM" کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ بعد ازاں یہی کیفیت رہی حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کے ابتدائی تقریباً دو تہائی حصے کے دوران ــــ البتہ اس کے بعد بیرونی سازشی و انتقامی قوتیں بروئے کار آئیں، جن میں مجوسیت اور یہودیت سرِفہرست تھیں جن کا مرکز مختلف تاریخی عوامل کے تحت سرزمین ایران بن گئی۔ چنانچہ ان کا پہلا وار حضرت عمرؓ پر ہوا اور آپؓ ابولؤلؤ اور ہرمزان کی سازش سے شہید کر دیئے گئے لیکن اس صدمے کو عالمِ اسلام جھیل گیا ــــ بعد میں زیادہ منظم اور بھرپور سازش حضرت عثمانؓ کے خلاف ہوئی جو کامیاب ہو گئی۔ نتیجۃً وہ بھی انتہائی مظلومی کی حالت میں شہید ہوئے، اور پھر پورے ساڑھے چار سال یعنی حضرت علیؓ کے پورے عہدِ خلافت کے دوران باہمی خانہ جنگی کا سلسلہ جاری رہا تا آنکہ آنجنابؓ نے بھی جامِ شہادت نوش فرمایا اور اسّی ہزار سے زائد مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں اور نیزوں یا تیروں کا شکار ہو گئے۔ مزید برآں اُمّت میں تفرقہ و انتشار کا وہ بیج بویا گیا جو آج تک برگ و بار لا رہا ہے ــــ اس اجتماع میں حاضری بحمداللہ توقّع سے بہت زیادہ ہوئی اور بعد میں بہت سے احباب کی جانب سے اِس احساس کا اظہار ہوا کہ زندگی میں پہلی بار تاریخ کا صحیح رُخ سامنے آیا ہے!

اُوپر سیرتِ صدیقِ اکبرؓ، سیرت و شہادتِ فاروقِ اعظمؓ اور سیرت و شہادتِ عثمانِ غنیؓ کے موضوعات پر راقم کی جن تقاریر کا ذکر آیا ہے اُن میں سے پہلی کو تو راقم نے خود قلمبند کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن اُس کی تین قسطیں 'میثاق' میں شائع ہو کر رہ گئیں اور کام مکمّل نہ ہو سکا اور اب بھی اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کب پورا ہو گا ــــ دوسری غالباً ٹیپ ہی نہ ہو سکی تھی ــــ البتہ تیسرے موضوع پر میرے چند ایک خطابات کو مشفق مکرّم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے ٹیپ سے منتقل کیا، پھر اُن کو مرتّب

بقیہ صـ ۲۴ پر دیکھئے!

# سُورۂ قرآنی کے مضامین کا خلاصہ

## سُورۂ رعد تا سُورۂ کہف

از

اِسرار احمد

گذشتہ رمضان المبارک کے دوران جو پندرہ تقریریں ڈاکٹر صاحب نے ریڈیو پاکستان لاہور سے کی تھیں، اُن میں سے بارہ[۱۲] پہلے ہدیۂ ناظرین کی جا چکی ہیں۔ بقیہ تین ذیل میں درج کی جا رہی ہیں ـــــ مرتّب

تقریر نمبر ۱۳

## سُورۂ رعد، سُورۂ ابراھیم، سُورۂ حجر

سورۂ رعد اور سورۂ ابراہیم علی الترتیب چھ رکوعوں اور ۴۳ آیات اور سات رکوعوں اور ۵۲ آیات پر مشتمل ہیں اور انداز و اسلوب اور مضمون و موضوع ہر اعتبار سے مکّی دور کے اواخر میں نازل ہونے والی سورتوں کے مشابہ ہیں، جبکہ سورۂ حجر کے چھ رکوع ۹۹ آیات پر مشتمل ہیں۔ گویا اس میں آیات نسبتاً چھوٹی ہیں، مزید برآں اس کا اسٹائل بھی مکّی دور کے اوائل میں نازل ہونے والی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے اور اس کے مضامین بھی خصوصاً آغاز و اختتام پر وہی ہیں جو ابتدائی مکّی سورتوں میں پائے جاتے ہیں۔

## سُورۂ رعد

سورۂ رعد میں قصص الانبیاء یا انباء الرّسل کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے اور پوری سورت جو ایک مسلسل اور مربوط خطبہ نظر آتی ہے توحید، معاد اور رسالت کے اساسی مباحث

پر مشتمل ہے۔ اور ان میں سے بھی زیادہ زور ایمان بالآخرت اور ایمان بالرّسالت پر ہے۔ اگرچہ آفاق و انفس کے جن شواہد سے قیامِ قیامت اور بعث بعد الموت پر استدلال کیا گیا ہے ان سے ضمنی طور پر توحید کا اثبات بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔

پہلی آیت میں قرآن مجید کی حقانیت کا بیان ہے، چنانچہ فرمایا گیا: "المّرٰ قف، یہ کتاب الٰہی کی آیات ہیں۔ اور اے نبیؐ! جو کچھ آپ کے ربّ کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ سرتاسر حق ہے لیکن اکثر لوگ ماننے والے نہیں ہیں"۔

اس کے بعد تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے شواہد کی جانب توجّہ دلاکر آیت ۵ میں بڑے دلنشیں پیرائے میں فرمایا: "اور اگر تعجب کرنا ہی چاہو تو قابلِ تعجّب ہے ان منکرینِ قیامت کا یہ قول کہ کیا جب ہم مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے تو پھر از سرِ نو زندہ کر دیئے جائیں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے ربّ کا کفر کیا ہے اور اُن کی گردنوں میں طوق ہیں اور یہ جہنمی ہیں جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے!" حاصل کلام یہ کہ جو شخص اللہ ہی کو نہ مانے یا اُس کی قدرتِ مطلقہ پر یقین نہ رکھتا ہو اُس کی بات دوسری ہے۔ لیکن جو اللہ کو بھی مانتا ہو اور اُس کے عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہونے پر بھی یقین رکھتا ہو پھر بھی بعث بعد الموت کے بارے میں استعجاب یا استبعاد کا اظہار کرے تو اس کی حالت واقعتہً قابلِ تعجّب ہے۔ اور جو کوئی یہ کرتا ہے وہ گویا اپنے ربّ اور اُس کی صفاتِ کاملہ کا انکار کرتا ہے۔

اس کے بعد پھر اللہ کی قدرتِ کاملہ اور علمِ کامل کا بیان ہے اور پھر آیت ۱۱ میں عمرانیات انسانی کا وہ زرّین اور اٹل اُصُول بیان ہوا ہے کہ: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ" جس کا سرسری مفہوم تو وہ ہے جو اس مشہور شعر میں بیان ہوا کہ ؎

خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی ۔۔۔ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

لیکن اصل مفہوم یہ ہے کہ انسانوں کے خارج کے احوال ان کے باطن کی کیفیات کے تابع ہیں اور اگر کسی قوم کے لوگ اپنی شخصیتوں کی اندرونی دنیا میں انقلاب برپا کرنے کو تیار نہ ہوں تو ان کے خارجی حالات میں بھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ واضح رہے کہ علامہ اقبال مرحوم نے قرآنِ حکیم کی تاثیر کا یہی نقشہ کھینچا ہے کہ یہ انسانوں کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے جس سے ان کے اندر کی دنیا میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور یہی باطنی انقلاب ہے جو تمہید بنتا ہے خارجی ظاہری حتّٰی کہ عالمی انقلاب کی ؎

"چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　جاں چوں دیگر شُد، جہاں دیگر شودا!

عمرانیاتِ انسانیہ کا ایک دوسرا اہم اُصول آیت ۱۷ میں بیان ہوا ہے کہ جس طرح تم دیکھتے ہو کہ جب بارش ہوتی ہے اور پہاڑی علاقوں میں وادیاں ندیوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں تو پانی کے اُوپر بہت سا جھاڑ جھنکاڑ اور جھاگ نظر آتا ہے۔ حالانکہ اس کی حقیقت کوئی نہیں ہوتی اصلاً مفید تو وہ پانی ہے جو اُس کے نیچے بہہ رہا ہے، خواہ وہ نظر نہ آرہا ہو۔ اسی طرح جب سُنار سونے یا چاندی کو صاف کرنے کے لیے کُٹھالی میں تپاتا ہے تو اس میں بھی بہت سا جھاگ اُٹھتا ہے جس میں سوائے مَیل کے کچھ نہیں ہوتا ـــــ بالکل اسی طرح اس عالمِ انسانی میں بھی حق و باطل کے مابین ایک مسلسل تصادم اور ٹکراؤ جاری رہتا ہے جس سے کبھی کبھی ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ گویا باطل غالب آگیا اور چہار طرف اس کا ڈنکہ بجنے لگا لیکن حقیقت میں یہ بھی بس جھاگ ہی کے مانند ہوتا ہے اس لیے کہ زمین میں قرار وہی چیز پکڑتی ہے جو واقعتہً مفید و نافع ہو اور یہ معاملہ ظاہر ہے کہ صرف حق کا ہوتا ہے لہٰذا بالآخر حق ہی کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل نسیًا منسیًا ہوجاتا ہے۔

سورۂ رعد کا تیسرا رکوع سورۂ بقرہ کے تیسرے رکوع سے بڑی گہری مشابہت رکھتا ہے اور یہ الفاظ تو جُوں کے تُوں بغیر کسی ایک شوشے کے فرق کے آئے ہیں کہ: وَالَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ وَیَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَیُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ (یعنی وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو، اُس کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد، اور کاٹتے ہیں اُسے جسے اللہ نے حکم دیا ہے جوڑنے کا اور فساد مچاتے ہیں زمین میں!) غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں بھی انسانی اجتماعیات کا یہ اہم اُصول بیان ہوا ہے کہ معاملاتِ انسانی کے سارے بگاڑ کی جڑ اور بنیاد دو چیزیں ہیں ایک اللہ کے ساتھ جو عہدِ الست انسان نے کیا تھا اس کو نظر انداز کر کے اپنی من مانی کرنے پر اُتر آنا اور دوسرے رحمی رشتوں کو جوڑنے کے بجائے کاٹنے پر آمادہ ہوجانا! ـــــ پہلی چیز سے اللہ کے ساتھ تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور دوسری سے حقوق العباد کا پورا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔ سورۂ بقرہ کے ساتھ اس اہم مشابہت سے بھی رہنمائی ملتی ہے کہ یہ سورت ہجرت سے متصلاً قبل ہی کے زمانے میں نازل ہوئی ہوگی!

سورت کے آخر میں زیادہ زور نبوّت و رسالت کے موضوع پر ہے۔ چنانچہ آخری آیت میں فرمایا گیا: "اور یہ کافر کہتے ہیں تم ہرگز رسول نہیں ہو، کہہ دو کہ میرے اور تمہارے مابین اصل گواہ تو اللہ ہی ہے۔ البتہ جن کے پاس کتاب کا کچھ علم ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ بھی جانتے ہیں کہ میں رسول ہوں!" ——— اور اس سے پہلے بظاہر آنحضورؐ کو خطاب فرمایا گیا ہے، اگرچہ روئے سخن تمام تر کفّار کی جانب ہے گویا اُن سے کہا جا رہا ہو کہ ——— رہا تمہارا یہ اعتراض کہ یہ تو عام انسانوں کے مانند ہیں اور اُن کے بیوی بھی ہے اور اولاد بھی تو اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو کہ ہم نے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب انسان ہی تھے اور اہل و عیال والے تھے۔ رہا تمہارا یہ مطالبہ کہ وہ کوئی حسّی معجزہ کیوں نہیں دکھاتے تو یہ معاملہ ان کے اختیار میں ہے ہی نہیں، اس کا سارا دار و مدار ہم پر ہے۔ باقی اگر تمہاری آنکھوں پر پردے نہیں پڑ گئے ہیں تو دیکھ لو کہ ہمارے نبی کی دعوت اطراف و اکناف عرب میں پھیل رہی ہے۔ گویا یہ دعوت تمہارے چاروں طرف سے گھیرا تنگ کرتی ہوئی بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ اگر اب بھی آنکھیں نہ کھولو گے تو بہرحال اللہ کا فیصلہ تو اٹل ہے، حق کا بول تو بالا ہو کر ہی رہے گا۔ البتہ تم اپنی محرومی و بدبختی پر اللہ کی جانب سے آخری مہرِ تصدیق ثبت کرا لو گے۔

# سُورۂ ابراھیم

سورۂ ابراہیم کا آغاز بھی قرآن مجید ہی کے ذکر سے ہوا، کہ "یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے اے نبی! آپ پر اس لیے نازل کی کہ آپؐ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی میں لائیں!" اس کے بعد رسولوں اور ان کی قوموں کا ذکر ہوا، حضرت موسیٰؑ کا قدرے تفصیل سے اور حضرات نوح، ہود اور صالح علیہم السّلام کا اجمالاً۔ اور اس میں نقشہ کھینچ دیا گیا کہ ان سب کی دعوت بھی وہی تھی جو آج نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم پیش فرما رہے ہیں اور ان کی قوموں نے بھی اُسی طرح کے بے بنیاد اعتراضات کیے تھے جیسے آج قریش مکہ خصوصاً اُن کے سردار کر رہے ہیں، اور انہوں نے بھی اسی طرح اپنے رسولوں کو اپنی بستیوں سے نکال باہر کرنے کی دھمکی دی تھی جس طرح آج آنحضورؐ اور آپؐ کے جانثاروں پر مکّہ کی سرزمین تنگ کر دی گئی۔ اس سلسلے میں آخری بات جو از خود ظاہر تھی بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ جس طرح اُن پر اللہ کے عذاب آئے اسی طرح تم بھی عذابِ الٰہی کے لیے تیار رہو ——— پھر گویا قریش

کے عوام کو خطاب کر کے فرمایا گیا آج تو تم اپنے سرداروں کے کہنے میں آ کر ہمارے نبی کی تکذیب کر رہے ہو اور ان کو ستانے سے بھی باز نہیں آتے لیکن قیامت کے دن نہ تمھارے یہ سردار تمھیں اللہ کے عذاب سے بچا سکیں گے اور نہ وہ شیطانِ لعین تمھارا ساتھ دے گا، جو تمھارا اور تمھارے سرداروں اور پیشواؤں سب کا گُرو ہے۔ چنانچہ آیات ۲۱، ۲۲ میں نقشہ کھینچ دیا گیا: "اور پھر سب کے سب پیش کیے جائیں گے اللہ کے سامنے، تو کمزور اور پس ماندہ لوگ کہیں گے اپنے سرداروں اور چوہدریوں سے: ہم تو تمھاری ہی پیروی کرتے رہے تو اب تم لوگ ہم پر اللہ کے عذاب میں سے کچھ کمی بھی کرا سکتے ہو یا نہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم بھی تم کو سیدھی راہ دکھا دیتے، اب ہمارے لیے برابر ہے ہم صبر کریں یا فریاد، بہرحال بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں!" ـــــ : "اور جب سارا معاملہ چُک جائے گا تو شیطان کہے گا، اللہ نے بھی تم سے ایک وعدہ کیا تھا جو سراسر حق تھا اور اُس نے اُسے پُورا کر دیا ہے۔ مَیں نے بھی کچھ وعدے تم سے کیے تھے جو پورے نہیں کیے، لیکن مجھے تم پر کوئی زور حاصل نہیں تھا، سوائے اس کے کہ مَیں نے تم کو دعوت دی اور تم نے اسے قبول کر لیا، تو اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمھاری فریاد رسی کر سکتا ہوں نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو!"

اپنے نام کی مناسبت سے اس سورۂ مبارکہ کا ایک پُورا رکوع حضرت ابراہیمؑ کے ذکر پر مشتمل ہے اور انداز اس قدر دلنشیں ہے کہ آنجناب کی ایک دعا میں شرک سے بیزاری اور توحید کا اقرار و اعلان بھی آ گیا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور اُس کے جوار میں اپنی نسل کی ایک شاخ کو آباد کرنے کا مقصد بھی بیان ہو گیا۔ بڑھاپے میں حضرت اسمٰعیل اور اور حضرت اسحٰق علیہما السّلام ایسے بیٹے عطا ہونے پر ہدیۂ تشکّر و امتنان بھی آ گیا، اور ذرّیتِ اسمٰعیل کے لیے دعائے خیر بھی آ گئی اور اپنے اور اپنے والدین اور کُل اہلِ ایمان کے لیے دعائے مغفرت بھی آ گئی۔

سُورت کے آخر میں کفّار و مشرکین، بالخصوص قریشِ مکّہ اور ان کے سرداروں کو متنبّہ کر دیا کر دیا گیا کہ ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کرے گا۔ وہ زبردست بھی ہے اور انتقام لینے والا بھی۔ اور یہ تنبیہ ہے لوگوں کے لیے تاکہ خبردار ہو جائیں اور جان لیں کہ اللہ ہی اکیلا اِلٰہ ہے، اور ہوشمند لوگ یاددہانی حاصل کر لیں: ہمارے سابق انبیاء و رُسُل کی قوموں نے بھی ضد اور ہٹ سے کام لیا تھا اور بڑی ڈھٹائی اور جسارت کے ساتھ ہم سے فیصلہ صادر کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ ہم نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا۔

تو اپنے بارے میں اب تم خود سوچ لو!

# سُورۂ حِجر

سورۂ حجر کا آغاز بھی قرآن حکیم ہی کے ذکر سے ہوا کہ "یہ کتابِ الٰہی اور قرآنِ مبین کی آیات ہیں!" اور اُس کے فوراً بعد بڑے تیکھے انداز میں فرمایا گیا کہ اِس وقت تو یہ کفّار و معاندین طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں اور ہمارے نبیؐ پر فقرے کس رہے ہیں حتیٰ کہ انہیں مجنون اور دیوانہ کہنے سے بھی گریز نہیں کر رہے لیکن ایک وقت آئے گا کہ یہ کفِ افسوس مل کر کہیں گے: "کاش ہم ایمان لے آتے اور اطاعت قبول کر لیتے" ـــــ تو اے نبیؐ! آپ اُن کی پروا نہ کیجئے، اور انہیں ذرا چَرچُگ لینے دیجئے، وہ وقت دُور نہیں جب انہیں سب حقیقت معلوم ہو جائے گی!" ـــــ اس کے بعد آنحضورؐ کی دلجوئی کے لیے فرمایا گیا: "ہم نے آپؐ سے پہلے بھی بہت سی قوموں میں اپنے رسول بھیجے تو آپ کی طرح اُن سب کا مذاق اڑایا گیا، اور جس طرح اگلوں کے حالات گزرے آپ کی قوم کے لوگ بھی ایمان لانے والے نہیں ـــ (رہا ان کا یہ مطالبہ کہ ہمیں کوئی صریح اور محسوس معجزہ دکھا دو تو ہم مان لیں گے تو آپ یقین رکھیں کہ) اگر ہم ان کے لیے آسمان میں ایک دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں چڑھنے لگیں تو بھی یہ یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی اور ہم پر جادو کر دیا گیا تھا!"

سورۂ حجر کا تیسرا رکوع بہت اہمیّت کا حامل ہے، اس لئے کہ اس میں قصّۂ آدم و ابلیس ایک نئے انداز میں بیان ہوا۔ اس سے قبل یہ قصّہ سورۂ بقرہ کے چوتھے اور سورۂ اعراف کے دوسرے رکوعوں میں بیان ہو چکا ہے۔ اس مقام پر ایک تو حضرت آدمؑ کے مادۂ تخلیق کے بارے میں: مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاءٍ مَّسْنُوْنٍ" ایسے بھاری الفاظ جُوں کے تُوں پورے تین بار آئے جس سے اشارہ ہوا کہ حضرت آدمؑ کا مادۂ تخلیق ایسا سنا اور سڑا ہوا گارا تھا جو سوکھ کر کھنکھنانے لگا تھا۔ جس کی تائید ہوتی ہے جدید سائنسی انکشاف سے کہ حیات کا آغاز ان دلدلی علاقوں میں ہوا جہاں مٹی اور پانی کے مسلسل تعامل سے خمیر سا اُٹھ آتا ہے اور گارے میں بدبُو پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم ملائکہ کو تخلیق آدم سے بہت قبل دے دیا گیا تھا۔ تیسرے یہ کہ آدمؑ کی فضیلت کی اصل بنیاد وہ رُوحِ ربّانی ہے جو ان کے جسدِ خاکی میں پھُونکی گئی اور جسے اللہ نے

واحد متکلم کی ضمیر کے حوالے سے خاص اپنی ذات کی جانب منسوب کیا ہے، بلفظوئے الفاظ قرآنی :"فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝" (جب میں اس کی تخلیق مکمل کرلوں اور اس کی نوک پلک سنوار دوں اور اس میں پھونک دوں اپنی رُوح میں سے تو گر پڑنا اُس کے سامنے سجدے میں!) ـــــ ان حقائق و معارف علمیہ کے ساتھ ساتھ واضح کردی گئی وہ حقیقت جو قرآن میں اس قصّے کے تکرار و اعادہ ذکر کے اصل مقصد کی حیثیت رکھتی ہے کہ آدم کی اِسی فضیلت پر شیطان حسد کی آگ میں جل اُٹھا اور اُس کے دل میں آدم اور ذُرّیتِ آدم کی عداوت اور دشمنی نے جڑ پکڑلی ۔ چنانچہ اللہ سے مہلت مل جانے پر اب وہ تا قیامت نسلِ انسانی کی گمراہی کے درپے ہے اور اُسے تباہ و برباد کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اس ضمن میں وہ حقیقت بھی بیان کردی گئی جو اس سے قبل سورۂ ابراہیم میں میدانِ حشر کے مکالمے کی صورت میں بیان ہوچکی ہے ـ یعنی یہ کہ شیطان کو اللہ کے بندوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ وہ گناہ کی دعوت ضرور دیتا ہے لیکن اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا سراسر انسان کے اپنے اختیار میں ہے، بلفظوئے الفاظِ قرآنی :"اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝" (میرے بندوں پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا سوائے اُن نابکاروں کے جو خود ہی تیری پیروی اختیار کرلیں!) اس کے بعد مکّی سورتوں کے عام اسلوب کے مطابق انبیاء و رُسل کا ذکر ہے، اور یہاں تفصیل کے ساتھ ذکر آیا ہے حضرت لوط علیہ السّلام اور اُن کی قوم کا ـ اور اِسی کے ذیل میں ضمناً ذکر آیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا کہ وہی فرشتے جو حضرت لوط کی قوم پر عذاب کا فرمان لے کر نازل ہوئے تھے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحٰق کی ولادت کی خوشخبری بھی دے گئے۔ حضرت لوطؑ کی قوم کے انجام کے ذکر کے بعد اجمالاً اشارہ کیا گیا قومِ شعیب اور قومِ صالح علیہما السّلام کے انجام کی طرف ـــــ اس صراحت کے ساتھ کہ ان تینوں اقوام کی تباہ شدہ بستیاں اور اُن کے مساکن کے کھنڈرات "سبیلِ مقیم" یعنی اس تجارتی شاہراہ پر واقع ہیں جس پر اہلِ عرب کے تجارتی قافلے دن رات چلتے رہتے تھے ـ یعنی شمال سے جنوب کی جانب پہلے قومِ لوط کی تباہ شدہ بستیاں، پھر قومِ شعیب کے تباہ شدہ مسکن اور قومِ ثمود کے کھنڈرات۔

مکّی دَور کے اوائل میں نازل ہونے والی اکثر سورتوں کی طرح سورۂ حجر کے آخر میں بھی آنحضورؐ کے ساتھ مفصّل خطاب بھی ہے اور آپؐ کی جانب خصوصی عنایت اور التفات

بھی - جس کا حاصل یہ ہے کہ : "اے نبیؐ! ہم نے یہ آسمان اور زمین حق کے ساتھ بنائے ہیں، اور قیامت بہرحال آ کر رہے گی جب کہ ہر ایک کو اپنے کئے کا پورا بدلہ مل جائے گا۔ تو آپ فی الحال ان کافروں سے درگزر فرمائیں اور اُن کے تمسخر و استہزاء کو نظر انداز کر دیں۔ آپ کا رب جہاں سب کا خالق ہے وہاں سب کے حال سے باخبر بھی ہے! اور ہم نے آپ کو سات بار بار دہرائی جانے والی آیات یعنی سورۂ فاتحہ ایسی نعمتِ عظمیٰ قرآنِ عظیم ایسی دولتِ بے بہا عطا فرمائی ہے تو آپ ان لوگوں کی جانب نگاہ اٹھا کر نہ بھی دیکھیں جنہیں ہم نے اس دنیا کی حقیر سی پونجی وافر مقدار میں عطا کر دی ہے اور نہ ہی اُن کے بارے میں رنج و اندوہ آپ کے قلب پر طاری ہونے پائے۔ آپ کی عنایت و شفقت شاملِ حال رہنی چاہیئے اہلِ ایمان کے! اور صاف کہہ دیجئے کہ میں تو کھلا خبردار کر دینے والا ہوں، جیسا کہ ہم نے وعید نازل کی ہے اُن کے لیے جو قرآن کا استہزاء کرتے ہیں، تو تیرے رب کی قسم، ہم ان سب سے پوچھ لیں گے کہ وہ کیا کر رہے تھے! ــــ اور آپ ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیجئے جس کا حکم آپ کو ہوا، اور مشرکوں کی پرواہ مت کیجئے، اُن کے تمسخر و استہزاء سے ہم نبٹ لیں گے۔ وہ لوگ جو اللہ کے سوائے کوئی اور معبود بھی ٹھہرا رہے ہیں انہیں عنقریب حقیقت معلوم ہو جائے گی، اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان لوگوں کی باتوں سے آپؐ کو صدمہ ہوتا ہے ــــ پس آپ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیئے اور اس کے سامنے سربسجود ہونے والوں میں شامل رہیئے ــــ اور تادمِ آخر اس کی پرستش پر کاربند رہیئے!" وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ!

## تقریر نمبر ۱۴

قرآنِ حکیم میں سورۂ یونس سے مکّی سورتوں کا جو عظیم سلسلہ شروع ہوتا ہے اس میں پہلے تین سورتیں قدرے طویل ہیں یعنی سورۂ یونس، سورۂ ہود اور سورۂ یوسف جو علی الترتیب ۱۱، ۱۰ اور ۱۲ رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ پھر تین سورتیں قدرے چھوٹی آتی ہیں یعنی سورۂ رعد، سورۂ ابراہیم، اور سورۂ حجر جو علی الترتیب ۶، ۷، ۶ رکوعوں پر مشتمل ہیں اور پھر ایک گروپ تین طویل سورتوں کا ہے یعنی سورۂ نحل، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف جو علی الترتیب ۱۶ رکوعوں اور ۱۲۸ آیات اور ۱۲ رکوعوں اور ۱۱۱ آیات اور ۱۲ رکوعوں اور ۱۱۰ آیات پر مشتمل ہیں۔ اِن میں سے سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف حکمتِ قرآنی کے عظیم ترین خزانے کی حیثیت رکھتی ہیں، اور ان میں مضامین کی بڑی گہری مناسبت اور مشابہت پائی جاتی ہے جب کہ سورۂ نحل منفرد مزاج کی حامل ہے

اگرچہ سورۂ بنی اسرائیل کے ساتھ اس کے مضامین کا بہت گہرا ربط موجود ہے۔ (گویا تین مکی سورتوں کے اس چھوٹے گروپ میں قرآنی سورتوں کے مابین نسبتِ زوجیت کا مظہرِ اتم تو ہیں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف البتہ سورۂ نحل بھی ان دونوں کے ساتھ غایت درجہ مربوط و متعلق ہے)۔
اس ابتدائی تعارف کے بعد آئیے کہ سورۂ نحل کے مضامین پر قدرے تفصیلی نگاہ ڈالیں :۔

# سورۂ نحل

سابقہ سورتوں کے برعکس سورۂ نحل کے آغاز میں نہ حروفِ مقطعات ہیں نہ قرآن مجید کی عظمت کا کوئی تمہیدی بیان بلکہ بات براہِ راست تنبیہ سے شروع ہوگئی کہ "اللہ کا فیصلہ سر پر آیا کھڑا ہے تو اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ، وہ پاک اور بلند و برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں !" بعینہٖ یہی رنگ اس سورۂ مبارکہ کے اختتام پر بھی ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ آغاز میں کفار و مشرکین کے لیے انذار کا رنگ ہے اور اختتام پر آنحضورؐ اور اہلِ ایمان کے لیے تبشیر کا۔ یعنی "پس صبر کرو اور ظاہر ہے کہ تمہارا صبر اللہ ہی کے بھروسے پر قائم ہے، اور تمہیں نہ تو ان کفار و مشرکین کے انجام پر غمگین ہونے کی ضرورت ہے نہ ان کی مخالفانہ چالوں اور تدبیروں سے پریشان ہونے کی، اس لیے کہ اللہ ساتھ ہے یعنی اس کی تائید و نصرت شامل حال ہے ان کے جنھوں نے تقویٰ اور احسان کی روش اختیار کی !"

قرآن حکیم میں "تذکیر بآلاءِ اللہ" یعنی اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے اس پر ایمان لانے اُس کی توحید پر کاربند رہنے اور اس کی جزا و سزا پر یقین رکھنے اور اس کے احکام پر کاربند رہنے کی دعوت کی سب سے زیادہ شاندار مثال غالباً سورۂ نحل ہی ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کا تانا بانا اللہ تعالیٰ کی ارضی و سماوی، آفاقی و انفسی، ظاہری و باطنی اور محسوس و معقول نعمتوں کے ذکر سے تیار ہوا ہے اور ان ہی میں جا بجا سجا دیئے گئے ہیں توحید معاد اور رسالت کے اساسی مضامین اور ان دونوں کے باہمی ربط و تعلق کی جانب اشارہ کیا گیا ہے ایسے الفاظ سے کہ : اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (آیت ۱۱) :۔ (بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیں) اور اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (آیت ۱۲) :۔ (یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں) : اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ○ (آیت ۱۳) :۔ (بے شک اس میں نشانیاں ہیں

ان لوگوں کے لیے جو یاد دہانی حاصل کریں ) اور : اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ (آیت ۶۵) :- (یقیناً اس میں نشانی ہے اُن کے لیے جو سُنتے ہیں ) اور : اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (آیت ۶۷) :- (بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ماننے پر آمادہ ہوں ! ) ——— چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر جس جامعیت کے ساتھ اس سورۂ مبارکہ میں ملتا ہے اس کی شاید ہی کوئی دوسری نظیر قرآن مجید میں موجود ہو۔ اس مضمون کا آغاز آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ذکر سے ہوا کہ اللہ نے اس کائنات کو حق کے ساتھ خلق فرمایا۔ پھر ذکر ہوا انسان کی تخلیق کا کہ اسے پیدا کیا اُس نے نطفے سے تو کیسی عجیب بات ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک ہی کے بارے میں جھگڑتا ہے۔ پھر ذکر آیا چوپایوں کی تخلیق کا کہ پیدا کیے اُس نے لاتعداد چوپائے جن سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو، ان کو اپنی سواری کے طور پر بھی استعمال کرتے ہو اور بار برداری کے کام میں بھی لاتے ہو۔ پھر ان میں تمہارے لیے حسن و جمال اور زیبائش و آرائش کا سامان بھی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کے گوبر اور خون کے درمیان سے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دودھ ایسا پاکیزہ اور اعلیٰ مشروب فراہم کرتا ہے، اور تم ان کی کھالوں سے خیمے تیار کرتے ہو اور ان کے بالوں اور اُون کو بے شمار دوسرے مصارف میں لاتے ہو۔ پھر ذرا بارش پر غور کرو، اللہ پانی برساتا ہے اسے تم اپنی پیاس بجھانے کے کام میں بھی لاتے ہو اور کاشت کا ذریعہ بھی بناتے ہو۔ چنانچہ اللہ اس کے ذریعے تمہارے لیے غلّہ اور زیتون، کھجور اور انگور، اور بے شمار دوسرے پھل اُگاتا ہے جن سے تم رزقِ حسن بھی حاصل کرتے ہو اور سُکر و سرور پیدا کرنے والی چیز بھی۔ پھر ذرا یہ تو دیکھو کہ اس زمینی پیداوار میں کتنی رنگا رنگی و بوقلمونی موجود ہے۔ کیسے کیسے حسین و جمیل اور رنگا رنگ پھول اس نے کھلا دیئے ہیں اور کتنی انواع و اقسام کے پھل اس نے تمہارے لیے پیدا کیے ہیں ——— پھر ذرا غور کرو کہ رات اور دن کا نظام کس طرح تمہاری ضروریات کی فراہمی میں لگا ہوا ہے اور شمس و قمر اور اور تمام اجرامِ فلکی کیسے تمہاری چاکری میں مصروف ہیں ——— پھر ذرا سمندر پر بھی نظر ڈالو کہ کیسے تمہاری خدمت سرانجام دے رہا ہے اس میں سے تم تازہ اور عمدہ گوشت بطورِ غذا حاصل کرتے ہو، اس کے سینے کو اپنے سفینوں سے چیرتے ہو، اور اسی کی گہرائیوں میں سے رنگا رنگ موتی اور دوسرا سامانِ آرائش نکالتے ہو ——— "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا !" واقعہ یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو کبھی اُن کا شمار پورا نہ کر سکو ! اور ذرا پہاڑوں

کو دیکھو کہ زمین کے لیے کیسے لنگروں کا کام دے رہے ہیں اور زمین کو دیکھو کہ اسے کس طرح دریاؤں اور قدرتی شاہراہوں سے مزیّن کر دیا گیا ہے، اور تو اور ذرا ہماری ننھی سی مخلوق شہد کی مکھی کو دیکھو کہ کس طرح انواع و اقسام کے پھلوں اور پھولوں سے رس چوس کر تمھارے لیے وہ رنگا رنگ مشروب تیار کرتی ہے جس میں تمھارے لیے غذائیت بھی ہے اور بے شمار امراض کی دوا و شفا بھی۔: اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ تو کیا اے نبیؐ! یہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کر دیں گے؟ اب ذرا نگاہ کو خود اپنے نفوس پر مرتکز کرو، اللہ نے تمھیں ماؤں کے پیٹوں سے برآمد کیا اس حال میں کہ تمھیں نہ کوئی علم تھا نہ شعور، اس نے تمھیں سماعت، بصارت اور دل و دماغ ایسی نعمتیں عطا فرمائیں، پھر تمھیں طرح طرح سے رزق عطا فرمایا اور انواع و اقسام کا ساز و سامان عطا کیا۔ مزید برآں تمھیں اپنی نوع ہی سے جوڑا عطا کیا اور اُس سے اولاد عطا فرمائی: "اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝" (تو کیا پھر بھی یہ باطل کے اقرار اور اللہ کی نعمتوں کے انکار کی روش پر قائم رہیں گے؟) پھر ذرا پرندوں کو دیکھو کہ کیسے فضا میں تیرتے پھرتے ہیں، پھر اپنے گھروں کا دھیان کرو، انہیں اللہ نے تمھارے لیے کس طرح امن اور سکون کا گہوارہ بنا دیا ہے، مزید برآں درختوں کے سائے اور پہاڑوں کے غاروں پر غور کرو کہ کیسے سورج کی تمازت اور دوسرے موسمی اثرات سے تمھیں بچاتے ہیں، پھر اپنے لباس پر غور کرو جو تمھارے لیے ذریعۂ حفاظت بھی ہے اور موجبِ زینت بھی پھر ذرا زرہوں اور خودوں کو دیکھو کہ وہ تمھیں حملہ آوروں سے کیسے محفوظ رکھتے ہیں: كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ (اسی طرح اللہ اپنی نعمتوں کا اتمام فرماتا ہے تم پر تاکہ تم اس کی اطاعت قبول کر لو!) "فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝" (تو اے نبیؐ! اگر یہ پھر بھی اعراض کریں تو آپ کے ذمے تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے!) ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ: يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (یہ اللہ کی نعمتوں کو پہچاننے کے بعد اُن کا انکار کرتے ہیں اور اُن کی اکثریت ناشکروں پر مشتمل ہے) الغرض اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کا مرکز و محور اللہ تعالیٰ کی گوناگوں نعمتوں کا ذکر اور ان کے حوالے سے اللہ کی توحید اور اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر ایمانِ محکم اور بعثت بعد الموت اور جزا و سزا اور وحیٔ نبوت اور رسالت پر پختہ یقین کی دعوت ہے۔ چنانچہ اُس کے آخر میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں بھی: "شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ" کے الفاظ خصوصیت سے وارد

ہوئے، یعنی یہ کہ: "وہ اللہ کی نعمتوں پر بھرپور شکر ادا کرنے والے تھے!" ——اس ضمن میں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ "حکمتِ قرآنی" کے قصرِ عظیم کی بنیاد اسی جذبۂ شکرِ الٰہی پر قائم ہے بفحوائے الفاظِ قرآنی: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ" (اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ کر شکر اللہ کا!) چنانچہ سورۂ نحل میں حکمتِ قرآنی کی اس اساس کو محکم طور پر قائم کر دیا گیا اور بعد کی دو سورتوں یعنی سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں اس حکمت کے مضمرات و متضمنات کو کھول دیا گیا اور اس کے ثمرات و نتائج کو بیان کر دیا گیا چنانچہ سورۂ نحل آخر میں وارد ہوئے یہ الفاظِ مبارکہ کہ: "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ" (بلاؤ اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور مجادلہ و مباحثہ کرو اس طور سے جو بہت عمدہ و اعلیٰ ہو) اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ: "ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ" (یہ باتیں ہیں منجملہ اس حکمت کے جو تیرے ربّ نے تجھ پر نازل فرمائی) اس سے سورۂ نحل اور سورۂ بنی اسرائیل کے مضامین کے باہمی ربط کا ایک اہم پہلو بھی واضح ہو گیا! واضح رہے کہ ان الفاظِ مبارکہ میں خصوصی اشارہ ہے سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں وارد شدہ اوامر و نواہی کی جانب جو ایک صحت مند اور صالح معاشرے کی تعمیر کے لیے لازمی و لابدی ہیں، اور اُن کی حیثیت اصل میں شرح و تفسیر کی ہے سورۂ نحل کی آیت ۹۰ کی جس میں فرمایا گیا: "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۤئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۤءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞" (اللہ حکم دیتا ہے تمہیں انصاف کا اور احسان کا اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اور منع فرماتا ہے تمھیں بے حیائی اور بدی اور ظلم و تعدّی سے!)۔

سورۂ نحل اور سورۂ بنی اسرائیل کے مابین ایک اور مشترک موضوع ہجرت کا ہے۔ ہجرت کا سلسلہ اگرچہ ویسے تو ۶ نبوی ہی میں ہجرتِ حبشہ سے شروع ہو گیا تھا، لیکن سورۂ نحل اور سورۂ بنی اسرائیل میں جس ہجرت کا ذکر ہے وہ یقیناً ہجرتِ مدینہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ نحل اس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب آنحضورؐ کی اجازت سے مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کر دی تھی۔ چنانچہ پہلے آیت ۴۱ میں فرمایا: "جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں، اس کے بعد کہ ان پر ظلم ڈھائے گئے، ہم انہیں لازماً اس دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا فرمائیں گے اور آخرت کا اجر تو اعظم و اکبر ہے ہی، کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!" اور پھر آیت ۱۱۰

میں فرمایا: "پھر تیرے ربّ کی رحمت شاملِ حال ہے اُن کے جنھوں نے آزمائش کی بھٹیوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی اور جہاد کیا اور صبر کی روش اختیار کی۔ یقیناً تیرا ربّ حد درجہ غفور بھی ہے اور نہایت رحیم بھی!"

سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف کی طرح سورۂ نحل میں بھی وحیٔ الٰہی اور اُس کے آخری اور جامع و کامل ایڈیشن قرآنِ حکیم کا ذکر تکرار و اعادہ آیا ہے، چنانچہ آیت ۲ میں فرمایا: "اللہ نازل کرتا ہے فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کہ لوگوں کو خبردار کر دو اور منادی کر دو کہ میرے سوائے کوئی معبود نہیں، پس صرف مجھ ہی سے ڈرو!" پھر آیات ۲۴، ۲۵ اور ۳۰ میں واضح فرمایا کہ اللہ کی اس تنزیل پر کفار اور اہلِ ایمان کا ردِ عمل کس قدر مختلف بلکہ متضاد ہے، چنانچہ آیت ۲۴ میں فرمایا: "جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ تمھارے ربّ نے کیا نازل فرمایا تو وہ کہتے ہیں 'وہی داستان ہائے پارینہ'!" اس پر آیت ۲۵ میں تبصرہ فرمایا گیا کہ: "یہ لوگ قیامت کے دن اپنے بوجھ تو پورے اٹھائیں گے ہی اس کے علاوہ انہیں اُن کے بوجھ بھی اٹھانے پڑیں گے، جنھیں یہ لاعلمی و نادانی میں گمراہ کر رہے ہیں، کتنا بُرا ہوگا وہ بوجھ جو یہ اٹھائیں گے!" اس کے بالمقابل آیت ۳۰ میں فرمایا: "اور جب اہلِ صلاح و تقویٰ سے سوال کیا جاتا ہے کہ تمھارے ربّ نے کیا نازل فرمایا تو کہتے ہیں 'سرتاسر خیر'، اِن خوب کاروں کے لیے اِس دنیا میں بھی خیر اور بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ان کے لیے ہے ہی سرتاسر خیر و خوبی، فی الواقع بہت ہی اچھا ہوگا متقیوں کا ٹھکانہ!" سورت کے اواخر میں ایک بار پھر قرآن مجید کی عظمت بھی بیان ہوئی اور اس کے اعجاز کے جانب بھی اشارہ ہوا اور اس کی تلاوت کے آداب بھی تعلیم فرمائے گئے۔ چنانچہ آیت ۸۹ میں فرمایا:- "اور اے نبیؐ! ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہر چیز کی وضاحت کے لیے اور اطاعت شعاروں کے حق میں ہدایت اور رحمت اور بشارت بنا کر!" اور آیت ۱۰۲ میں فرمایا: "کہہ دو اے نبی! کہ اتارا ہے اُسے رُوح القدس نے تیرے ربّ کی جانب سے حق کے ساتھ تاکہ ثبات عطا کرے اہلِ ایمان کو اور ہدایت اور بشارت بنے طاعت گذاروں کے حق میں!" ساتھ ہی اگلی آیت میں واضح کر دیا کہ: "ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن انہیں یعنی محمدؐ کو کوئی انسان سکھا رہا ہے۔ حالانکہ جس شخص کی جانب وہ اسے منسوب کر رہے ہیں وہ عجمی ہے اور یہ قرآن صاف اور ستھری عربی زبان میں ہے!" آدابِ تلاوتِ قرآن کے ذیل میں آیت ۹۸ میں فرمایا: "جب

قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پہلے شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کر لیا کرو!" اس کے ساتھ ہی آیت ۱۲۵ کو بھی شامل کر لینا چاہیئے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے یعنی یہ کہ "بلاؤ اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت سے اور موعظۂ حسنہ سے اور بحث و نزاع کی ضرورت پڑ ہی جائے تو وہ اُس طور سے جو اعلیٰ و احسن ہے!" اس لیے کہ اس آیۂ مبارکہ میں دعوت کے ضمن میں جن تین چیزوں کی جانب رہنمائی کی گئی۔ ان میں سے بفحوائے الفاظِ قرآنی: "ذَالِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ" حکمت بھی قرآن ہی کا ایک جزو ہے، اور بفحوائے الفاظِ ربّانی: "لَقَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ!" موعظۂ حسنہ بھی قرآن ہی کا ایک حصّہ ہے اور مباحثے اور مجادلے کی احسن صورتیں بھی وہی ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہوئیں۔ اس طرح یہ آیت گویا شرح ہے سُورۂ قٓ کی آخری آیت کی کہ: "فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ!" (یاد دہانی کراؤ قرآن کے ذریعے اسے جسے ہماری دھمکیوں اور وعیدوں کا ذرا بھی خوف ہے!)

● 'شہادت علی النّاس' کا جو مضمون پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے مدنی سورتوں میں وہ ہجرت سے متّصلاً قبل نازل ہونے والی دو سورتوں یعنی سورۂ حج اور سورۂ نحل میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ سورۂ حج میں تو اس کا وہ دنیوی پہلو واضح کیا گیا جسے سورۂ بقرہ میں اُمّتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس قرار دیا گیا ہے اور سورۂ نحل میں اس کا وہ اُخروی پہلو دو آیات میں بیان کیا گیا جو سورۂ نساء اور سُورۂ مائدہ میں مذکور ہے یعنی: "جس دن کہ ہم کھڑا کریں گے ہر اُمّت میں سے ایک گواہ، پھر ان کافروں کو نہ اس کی اجازت ملے گی کہ خواہ مخواہ کے جھوٹے بہانے بنائیں اور نہ ہی اُن کے غیظ و غضب کی پروا کی جائے گی" (آیت ۸۴) اور "اور جس دن کہ ہم کھڑا کریں گے ہر اُمّت میں ایک گواہ جو ان ہی میں سے ہوگا اور اُن ہی کے خلاف گواہی دے گا۔ اور کھڑا کریں گے، اے نبیؐ! آپ کو ان لوگوں کے خلاف گواہ بنا کر!" یاد ہوگا کہ اسی کی ہم مضمون ہے سورۂ نساء کی وہ آیت جسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سن کر آنحضورؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے!

● حکمتِ دین کے ضمن میں عہدِ الست کی یاد دہانی بھی اس سورۂ مبارکہ میں تاکیداً کرائی گئی ہے۔ چنانچہ آیت ۹۱ میں فرمایا: "اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم اللہ سے معاہدہ کر چکے ہو" اور آیت ۹۲ میں ایک حد درجہ بلیغ تشبیہ کے ذریعے اس عہد کو توڑنے پر ملامت

کی گئی کہ: "اس عورت کی مانند نہ بن جاؤ جس نے بڑی محنت و مشقت سے کاتا ہوا سوت خود ہی توڑ پھوڑ کر برباد کر دیا" اور آیت ۹۵ میں ایک دوسرے انداز میں توجہ دلائی کہ: "اللہ کے عہد کے عوض حقیر سی قیمت قبول نہ کر لو، جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے کہیں بہتر ہے، اگر تم سمجھو!"

● سورت کے آخر میں بنی اسرائیل کے ضمن میں دو حقائق کے جانب مجمل اشارے کئے گئے: ایک کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے ضمن میں کہ ان پر بعض سخت پابندیاں تادیبًا و تعزیرًا عاید کی گئی تھیں اور دوسرے یوم سبت کے بارے میں کہ یہ بھی ان پر یوم جمعہ کی ناقدری کی پاداش میں مقرر کیا گیا تھا۔ یہ گویا تمہید ہے اس تفصیلی ذکر کی جو یہود کی تاریخ کے ضمن میں سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے ہی رکوع میں آ رہا ہے ــــ پھر اسی سلسلے میں غالبًا یہود ہی کی توجہ کے لئے واضح کر دیا گیا کہ اب بھی توبہ کے ذریعے اللہ کی رحمت کے دروازے کو کھٹکھٹایا جا سکتا ہے ــــ فرمایا: "پھر تیرے ربّ کی رحمت دستگیری فرماتی ہے، اُن کی جو نادانی سے جذبات کی رَو میں بہہ کر برائی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں لیکن پھر توبہ کرتے ہیں اور اپنی اصلاح کر لیتے ہیں ــــ تو اس کے بعد تیرا ربّ یقینًا حد درجہ بخشنے والا بھی ہے اور نہایت رحم والا بھی!"

ــــ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ o ــــ

تقریر نمبر ۱۵

# سُورۂ بنی اسرائیل و کہف

نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کی بعض سورتوں کو آپس میں بہنیں قرار دیا ہے جیسے مثلاً آپ نے فرمایا کہ: "شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَ اَخَوَاتُهَا" (مجھے سورۂ ہود اور اُس کی بہنوں نے بوڑھا کر دیا ہے!)

اِس تشبیہ کو ذرا اور آگے بڑھایا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف آپس میں بالکل جڑواں بہنوں کے مانند ہیں۔ اس لئے کہ مصحف کے عین وسط میں واقع حکمتِ قرآنی کے ان دو عظیم خزینوں کے مابین حد درجہ مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً قد و قامت ہی کو لیجئے، تو دونوں ٹھیک بارہ بارہ رکوعوں پر مشتمل ہیں اور تعداد آیات میں بھی صرف ایک کا فرق ہے، یعنی سورۂ بنی اسرائیل ۱۱۱ آیات پر مشتمل ہے اور سورۂ کہف ۱۱۰ پر، پھر ایک کا آغاز تسبیح خداوندی سے ہوتا ہے اور دوسری کا حمد باری تعالیٰ سے اور ان دونوں کے مابین نسبت کو آنحضورؐ نے

اپنے اس فرمان میں واضح فرمادیا کہ "اَلتَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَئُہٗ" (یعنی سبحان اللہ سے میزان نصف ہو جاتی ہے اور الحمد للہ سے پُر ہو جاتی ہے!) پھر دونوں کی پہلی آیتوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور دونوں میں آپؐ کی نسبتِ عبدیت ہی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنحضورؐ پر خصوصی شفقت و عنایت کا اظہار ہوتا ہے وہاں نسبتِ رسالت کے بجائے اسی نسبتِ عبدیت کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ اس لیے بھی کہ اس سے شرک کا سدِباب ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ نسبتِ عبدیت عروجی ہے اور اس کا رُخ اللہ کی جانب ہے اور نسبتِ رسالت نزولی ہے اور اس کا رُخ انسانوں کی جانب ہے۔ گویا نسبتِ عبدیت سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی جامع ہے جب کہ نسبتِ رسالت عبارت ہے سیر عن اللہ الی اللہ سے۔ چنانچہ آنحضورؐ کا اصل سرمایۂ افتخار یہی عبدیتِ کاملہ کا مقام ہے، اگرچہ ہم آنحضورؐ کی عبدیت کو اپنی عبدیت پر قیاس نہیں کر سکتے۔ بقول علامہ اقبال ؎

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ما سراپا انتظار او منتظر!

اسی طرح ان دونوں سورتوں کی آخری آیتوں پر نگاہ ڈالیے تو نظر آئے گا کہ دونوں شرک کی نفی اور توحید کے اثبات کے ضمن میں حد درجہ عظمت کی حامل ہیں، چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کا اختتام ہوا اس آیت پر کہ: "وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا ۝ (کہہ دو ساری تعریف اُس اللہ کے لیے جس نے نہ کسی کو اپنا بیٹا بنایا، نہ ہی بادشاہی اور اختیار میں کوئی اُس کا ساجھی ہے، نہ ہی اُس کا کوئی دوست اس کے کسی ضعف یا احتیاج کے سبب سے ہے اور اُس کی بڑائی کرو جیسا کہ اُس کی بڑائی کا حق ہے!) اور سورۂ کہف کا اختتام ہوا ان الفاظ پر کہ: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا ۝ (کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا بشر ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود تو بس ایک ہی معبود برحق ہے، تو جو کوئی اس سے ملاقات کا امیدوار ہو اُسے چاہیئے کہ عمل کرے نیک اور شریک نہ کرے اُس کی عبادت میں کسی کو!) دونوں آیات کا آغاز فعل امر "قُلْ" سے ہوا ہے اور دونوں میں شرک کی نفی اور توحید کا اثبات ہے اِس فرق کے ساتھ کہ ایک میں اللہ کو اولاد

یا ضعف و احتیاج سے متصف کر کے اس کے مقامِ رفیع سے گرا کر مخلوق کی صف میں لا کھڑا کرنے کی مذمت کی گئی ہے تو دوسری میں مخلوق میں سے کسی کو اُٹھا کر اللہ کے برابر لے جا بٹھانے کا سدِّ باب کیا گیا ہے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی جملہ انواع و اقسام میں ان دونوں میں سے کوئی ایک صورت ضرور پائی جاتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ یہی عُروجی و نزولی کیفیات ہیں جو ان سورتوں کی پہلی آیات میں آنحضورؐ کے ضمن میں بیان ہوئیں یعنی سورۂ بنی اسرائیل کا آغاز ہوا معراج کے ذکر سے جس میں آنحضورؐ کو بلندیوں پر لے جایا گیا بفحوائے الفاظِ حدیث "ثُمَّ عُرِجَ بِی" اور سورۂ کہف کا آغاز ہوا کلام الٰہی کے آنحضورؐ پر نزول کے ذکر سے! یعنی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ" (یعنی کُل شکر اور تمام تعریف کا مستحق ہے اللہ جس نے نازل فرمائی اپنے بندے پر کتابِ ہدایت اور نہ رکھی اُس میں ہرگز کوئی کجی!) ـــــ اب ایک نگاہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری اور سورۂ کہف کی پہلی آیت پر دوبارہ ڈال لیجئے، بنی اسرائیل کی آخری آیت کا آغاز ہوا "قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ" کے الفاظ سے اور سورۂ کہف کا آغاز ہوا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے۔ گویا ایک میں امر ہے اور دوسری میں امتثالِ امر، اور اس طرح ان دونوں سورتوں نے فی الواقع جڑواں بہنوں کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اوّل و آخر کی ان مشابہتوں کے علاوہ حسبِ ذیل مزید اُمور بھی ان دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔ اوّلاً:- دونوں کے تقریباً وسط میں قصۂ آدم و ابلیس کا اجمالی ذکر موجود ہے۔ ثانیاً:- دونوں "اُولوالعزم من الرُّسُل" یا ان کی قوموں پر عذابِ الٰہی کے ذکر سے خالی ہیں، اگرچہ بستیوں کی تباہی و بربادی کا مجمل ذکر دونوں میں موجود ہے! ثالثاً:- دونوں میں قرآن مجید کے بارے میں فرمایا گیا کہ ہم نے اس میں انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہر ممکن اسلوب اختیار کر لیا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: "وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ" اور سورۂ کہف میں فرمایا: "وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ" رابعاً:- دونوں میں واضح کر دیا گیا کہ انسان اپنی شامتِ اعمال سے اپنے اوپر ہدایت کے راستے بند کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی زد میں آ کر اُس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ: "اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ" (یعنی ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے کہ سمجھ نہ پائیں اسے اور پیدا کر دی ہے اُن کے کانوں میں گرانی کہ سُن نہ سکیں!) خامساً: دونوں میں آنحضورؐ کو خبردار کیا گیا

ہے کہ اب جبکہ سردارانِ قریش تھک ہار کر مصالحت کی پیشکش پر اُتر آئے ہیں، مبادا کہ آپ اپنی طبعی شرافت و مروّت کے باعث کسی درجے میں اُن کی جانب جھک جائیں۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: "اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو فتنہ میں ڈال کر اُس چیز سے ہٹا دیتے جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے، تاکہ آپ گھڑ کر منسوب کر دیتے ہماری جانب کوئی اور چیز اور تب وہ بنا لیتے آپ کو اپنا گاڑھا دوست! اور اگر ہم نے آپ کو جمائے نہ رکھا ہوتا تو کیا عجب کہ آپ اُن کے جانب کسی قدر جھک ہی جاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو زندگی اور موت دونوں کے دُگنے عذاب کا مزا چکھاتے اور پھر آپ نہ پاتے ہمارے مقابل میں اپنا کوئی مددگار!" اور سورۂ کہف میں فرمایا: "اور غنیمت جانئے اُن کی رفاقت کو جو اپنے ربّ کی رضاجوئی میں صبح و شام اُس کو پکارتے رہتے ہیں۔ اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں اُن سے حیاتِ دنیوی کی زینتوں کی خاطر اور نہ ہی آپ دھیان دیں اُن لوگوں کی باتوں پر جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے!" ـــــ واضح رہے کہ قرآن کے معروف اسلوب کے مطابق ان دونوں مقامات پر بظاہر خطاب آنحضورؐ سے ہے لیکن عتاب کا رُخ دراصل معاندین اور کُفّار کی جانب ہے ـــــ سادساً:۔ دونوں سورتوں میں واضح کر دیا گیا کہ حق و باطل کی کشمکش کی شدّت اور مصائب و مشکلات اور ابتلاء و آزمائش کے دَور میں بندۂ مومن کا اصل سہارا کلامِ الٰہی ہے! چنانچہ سورۂ کہف میں فرمایا: "وَاتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ط" (اور پڑھتے رہا کرو جو نازل کیا گیا تمہاری جانب تمہارے ربّ کی طرف سے!) اور سورۂ بنی اسرائیل میں اس تلاوتِ قرآن کے لیے بہترین اوقات کی جانب رہنمائی فرما دی یعنی: "وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ط" (اور خصوصی اہتمام کرو فجر کی قراءت کا، اِس لیے کہ فجر کی قراءت خاص حضوری کی کیفیات کی حامل ہوتی ہے) اور: "وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ز" (اور رات کا کچھ حصّہ بھی اس قرآن کے ساتھ جاگتے ہوئے بسر کرو، یہ تمہارے لیے خصوصی اضافہ ہے!) ـــــ الغرض سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں مشابہت اور مماثلت کے بے شمار پہلو ہیں جن کا احاطہ اس مختصر گفتگو میں ممکن نہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے اور آخری رکوع میں اپنے نام کی مناسبت سے بنی اسرائیل کی تاریخ کے بعض اہم گوشوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں ان کی تاریخ کے درمیانی

دَور میں دو بار اُن کی سرکشی اور بغاوت اور اس پر اللہ کی سخت سزا و سرزنش کا ذکر کیا گیا اور اس کے بعد فرمایا گیا کہ اب پھر تم ایک فیصلہ کُن موڑ پر کھڑے ہو۔ اگر قرآن پر ایمان لاؤ اور اسے اپنا رہنما بناؤ تو رحمتِ خداوندی پھر تمھیں اپنے سائے میں لے لے گی۔ بصورتِ دیگر اللہ کے سخت سے سخت تر عذاب کے کوڑے تمھاری پیٹھ پر برستے رہیں گے: "عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ——— اور آخری رکوع میں ایک جانب امّتِ مسلمہ کی حیثیت سے اُن کی تاریخ کے آغاز کا ذکر ہوا۔ یعنی حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگذشت کا خلاصہ۔ واضح رہے کہ پہلے رکوع میں اس حقیقت کے جانب بھی اشارہ ہے کہ اُمّت کی تاسیس کتابِ الٰہی ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے ایک اُمّتِ مسلمہ کی حیثیت اُسی وقت اختیار کی تھی جب حضرتِ موسیٰؑ کو تورات عطا ہوئی: وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ" اور دوسری طرف اُن کی اس آخری تباہی کی جانب اشارہ کر دیا گیا جو قیامت کے قریب حضرت مسیحؑ کے نزول کے بعد ہوگی۔ چنانچہ فرمایا کہ جب وہ وقت آئے گا تو ہم تمھیں ہر طرف سے سمیٹ کر لے آئیں گے: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ؕ جس کی صورت اس وقت نگاہوں کے سامنے ہے کہ کوئی غیبی ہاتھ ہے جو پُوری دنیا سے یہودیوں کو کھینچ کھینچ کر فلسطین میں جمع کر رہا ہے۔ جسے بالآخر اُن کا قبرستان بنا دیا جائے گا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ عجیب بات ہے کہ جس طرح پہلے رکوع میں یہود کے ذکر کے بعد قرآن کا ذکر ہوا۔ اسی طرح آخری رکوع میں بھی یہود کی تاریخ کے آغاز و انجام کی جانب اجمالی اشاروں کے بعد وارد ہوئے یہ انتہائی پُرہیبت و پُرجلال الفاظ کہ: "وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ" (اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے۔) اب قوموں اور امّتوں کی قسمتوں کا فیصلہ اسی کے ذریعے ہوگا۔ یہ گویا یہود سے وہی بات کہی جا رہی ہے جو سورۂ طارق میں ایک عام قاعدہ کلیّہ کے طور پر فرمائی گئی کہ: اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ" (یہ قرآن فیصلہ کن بات بن کر نازل ہوا ہے، اسے ہنسی دل لگی کی بات نہ سمجھو!) ——— اس کے علاوہ اس سورۂ مبارکہ کے

تیسرے اور چوتھے رکوع میں بقول حبر الامۃ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تورات کے احکام عشرہ یعنی TEN COMMANDMENTS انتہائی دل نشیں پیرائے میں بیان کر دیئے گئے تاکہ اہلِ کتاب جان لیں کہ اصولاً قرآن مجید کی تعلیم بھی وہی ہے جو تورات کی تھی۔ اس طرح ایک جانب دعوت اور افہام و تفہیم اور دوسری طرف انذار اور تہدید و وعید دونوں اعتبارات سے سورۂ بنی اسرائیل تمہید بن گئی اُس مفصّل گفتگو کی جو ہجرت کے بعد مدنی سورتوں میں یہود و نصاریٰ کو براہِ راست خطاب کر کے کی گئی!

خود ہجرت کی جانب ایک اشارہ اس سورۂ مبارکہ میں ایک دعا کی صورت میں کیا گیا جو آنحضورؐ کو تلقین فرمائی گئی، یعنی: وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ یعنی (دُعا کرو کہ اے میرے ربّ مجھے داخل فرما عزّت کا داخل کرنا اور باہر نکال عزّت کا باہر نکالنا، اور مجھے اپنے خاص خزانۂ فضل سے عطا فرما قوّت و غلبہ جو میرے مشن کی تکمیل میں معاون و مددگار ہو!) یہ ایک نہایت اعلیٰ مثال ہے اس کی کہ خاصانِ بارگاہِ ربّانی کو دُعا کے الفاظ بھی خدا خود تلقین فرماتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس دُعا کی قبولیت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے!

ایک اور اہم مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں رُوح سے متعلق سوال اور اس کا جواب ہے جو ناسمجھوں یا کج بختی کے خواہش مند لوگوں کے حق میں تو جوابِ مُسکِت کی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقی علم و معرفت کے متلاشی لوگوں کے لیے حقائق و معارف کے ایک بحرِ بیکراں کے کوزے میں بند کر دینے کے مترادف ہے۔ رُوح کے بارے میں اس سوال اور اس کے جواب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں اس لئے کہ شانِ نزول کی روایات کی رُو سے یہود کے سکھانے سے قریشِ مکّہ نے تین سوالات آنحضورؐ کے سامنے امتحاناً پیش کئے تھے، ایک یہی کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟، دوسرے یہ کہ اصحابِ کہف کا واقعہ کیا ہے؟ اور تیسرے یہ کہ ذُوالقرنین کون تھے؟ جن میں سے پہلے کا جواب ہے سورۂ بنی اسرائیل میں اور بقیہ دو کا جواب ہے سورۂ کہف میں۔

سورۂ کہف کے بارے میں متعدد مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پوری سُورت کو بالعموم اور اس کی ابتدائی اور آخری آیات کو بالخصوص دجّالی فتنے کے اثرات سے بچنے کے لیے مفید قرار دیا ہے۔ دجل عربی زبان میں اس

کہتے ہیں کہ کسی شے کی حقیقت پر کسی فریب کا پردہ ڈال دیا جائے۔ سورۂ کہف کے پہلے اور آخری رکوع کے مطالعے سے اس دجل کی تعیین ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ اِس دُنیا اور اُس کے ساز و سامان کی چمک دمک سے انسان کی نگاہیں خیرہ ہو کر رہ جائیں اور وہ خدا اور آخرت دونوں کو بھول جائے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں فرمایا: ”اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا“ (ہم نے رُوئے زمین پر جو کچھ ہے اُسے اُس کا سنگھار اور زینت و آرائش بنا دیا ہے تاکہ ہم لوگوں کا امتحان لیں کہ کون ان میں سے اچھے عمل کرتا ہے!) یعنی کون اُس کی ظاہری سج دھج سے مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے اور کون اِس عروسِ ہزار داماد کی اصل حقیقت کو پا کر اپنی نگاہوں کو اللہ کی رضا طلبی اور آخرت کی فوز و فلاح پر ہی جمائے رکھتا ہے —— اور آخری رکوع میں بڑے بلیغ پیرائے میں پہلے سوال کیا کہ: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا (اے نبی! ان سے کہو کہ کیا ہم بتائیں تمھیں کہ سب سے زیادہ خسارے اور گھاٹے میں رہنے والے کون ہیں؟) اور پھر خود ہی جواب ارشاد فرمایا کہ: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا یعنی (وہ لوگ جن کی سعی و جہد اور بھاگ دوڑ اس حیاتِ دُنیوی ہی میں بھٹک کر اکارت چلی گئی، لیکن وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہماری محنتیں سپھل ہو رہی ہیں!)۔ اوّل و آخر کی اِن دو آیات کو اس سورۂ مبارکہ کے عمود اور مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہے جس کے گرد اُس کے تمام مباحث گھومتے ہیں۔ چنانچہ پہلے رکوع کے متصلاً بعد ہے اصحابِ کہف کا واقعہ اور آخری رکوع سے متصلاً قبل ہے حضرت ذوالقرنین کا ذکر، اور دونوں کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو اس دُنیا میں ہر قسم کے حالات سے سابقہ پیش آسکتا ہے اصحابِ کہف کی سی کس مپرسی اور بے یار و مددگار ہونے کی حالت سے بھی اور حضرت ذوالقرنین کی سی حکومت و سلطنت اور سطوت و شوکت سے بھی۔ لیکن بندۂ مومن کا کام یہ ہے کہ ہر حال میں صابر و شاکر رہے اور ہر حالت کو ابتلاء و آزمائش پر محمول کرے۔ درمیان میں ایک تو مکالمہ نقل ہوا ایک خود آگاہ و خدا مست مردِ عارف اور ایک دنیا کی ظاہری زیبائش و آرائش سے دھوکہ کھائے ہوئے شخص مغرور کے مابین جس سے اسی دجل کی حقیقت ایک تمثیلی پیرائے میں مزید واضح کی گئی اور دوسرے وہ واقعہ بیان ہوا جو حضرتِ موسیٰؑ اور حضرت خضر علیہما السّلام کے مابین پیش آیا جس سے اسی تصویر کا دوسرا رُخ واضح کر دیا گیا کہ جس طرح اس دنیا کی دولت و ثروت اور عزّت و

وجاہت بے حقیقت ہے، اسی طرح یہاں کے مصائب و آلام بھی سراب ہی کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ بسا اوقات وہی چیز انسان کے حق میں موجبِ خیر و برکت ہوتی ہے جسے وہ اپنی لاعلمی اور ناسمجھی میں باعثِ ضرران و نقصان اور موجبِ ذلّت و رسوائی سمجھ رہا ہوتا ہے۔ مزید برآں : ایک تو آنحضورؐ سے خطاب کر کے فرمایا کہ قریش کے صاحبِ دولت و ثروت سرداروں، اور چوہدریوں کے جانب زیادہ التفات نہ فرمائیں مبادا کسی کو یہ گمان ہو کہ آپؐ بھی دنیا کی زینت اور چمک دمک سے مرعوب و متأثر ہو گئے ہیں اور دوسرے ایک نہایت فصیح و بلیغ تمثیل سے حیاتِ دنیوی کی اصل حقیقت کو کھول کر بیان کر دیا گیا۔ جس کے ضمن میں وارد ہوئے وہ نہایت سادہ مگر حد درجہ دل نشین الفاظ کہ: "اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا" (لوگو! یہ مال اور اولاد تو بس اس حیاتِ دنیوی کی زینت و آرائش ہیں، اُمّید کے اعتبار سے بھروسے کے قابل اور تمہارے ربّ کی نگاہوں میں وقعت کے حامل تو صرف وہ نیک اعمال ہیں جنھیں دوام بھی ہے اور بقا بھی) اور واقعہ یہ ہے کہ یہی ہے وہ سَو باتوں کی ایک بات کہ اگر دل میں جم جائے تو انسان کی زندگی کا نقشہ یکسر بدل کر رہ جائے اور وہ بجائے اس دنیا کی چمک دمک سے مرعوب و مبہوت ہونے اور اس میں گم ہو کر رہ جانے کے، اللہ ہی کو اپنا محبوب و مطلوب اور آخرت ہی کو اپنی منزلِ مقصود جانتے ہوئے اس دنیا سے ایسے گذر جائے گا جیسے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ ۵ (دنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی یا راہ چلتا مسافر!) —— اللہ ہمیں اس کی ہدایت و توفیق عطا فرمائے! وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ!


انتخابِ حدیث

مرتّبہ: سیّد محمود الحسن فاضلِ دیوبند

اس کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کو ایک ایسی مؤثر اور دلنشین تشریحات کے ساتھ مرتّب کیا گیا ہے جس سے اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس میں بڑی مدد ملتی ہے، یہ ایک بہترین تربیتی کورس ہے اُن نوجوانوں کے لئے جو خدا کی زمین پر خدا کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، اور یہ مشعلِ راہ ہے اُن داعیانِ حق کے لئے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے اللہ کے کلمہ کو بلند کر رہے ہیں۔

ہم نے اسے اپنی روایات کے مطابق نہایت اعلیٰ معیار پر شائع کیا ہے۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۴۰۰ صفحات - سفید کاغذ - آفسٹ کی طباعت - قیمت ۱۲ روپے

مکتبہ اسحاقیہ - جونا مارکیٹ - پھول چوک، کراچی ۲

ڈاکٹر اسرار احمد

قسط ۴

# شرک اور اقسامِ شرک

## (شرک فی الصفات ۳)

راقم الحروف نے جب اس کو ٹیپ سے منتقل کرنا شروع کیا تو یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ خطاب اتنا طویل ہو جائے گا۔ خطاب کو تحریری اُسلوب میں منتقل کرنا کافی مشکل کام ہے۔ اب اندازہ ہوتا ہے کہ تکمیل کیلئے یہ سلسلہ تین چار اقساط مزید لے گا (جمیل الرحمن)

### قدرت و مشیّت

صفاتِ الٰہی کے ذیل میں مَیں اب دو اہم صفات یعنی قدرت اور مشیّت کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ قرآن مجید جس توحیدِ باری تعالیٰ کی دعوت دیتا ہے اس کا اہم ترین اقتضاء یہ ہے کہ اس بات کو قلبی یقین کے ساتھ تسلیم کیا جائے کہ اُس کی قدرت اور مشیّت اس کی ذاتی اور مطلق (ABSOLUTE) ہیں جن پر کوئی تحدید نہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط اور ____ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ط ____ کا یہی مفہوم ہے

انسان میں جو بھی قدرت، طاقت اور قوّتِ ارادی و عمل نظر آتی ہے، وہ اس کی ذاتی نہیں بلکہ بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے اور ابتلاء و آزمائش اور امتحان کی غرض چند حدود و قیود کے ساتھ اُس کو دی گئی ہے۔

اسی بات کو حضورؐ کو اور آپؐ کے واسطے سے اُمّت کو تعلیم دینے کے لیے سُورۂ کہف میں فرمایا کہ:

| | |
|---|---|
| وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ط اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (آیت ۲۳، ۲۴) | اور (اے نبی!) کبھی یہ نہ کہنا کہ مَیں یہ کام کل ضرور کروں گا مگر اس (استثنیٰ) کے ساتھ کہ اگر اللہ چاہے۔ |

سورۃُ الدّہر میں فرمایا:

| | |
|---|---|
| وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ | اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک |

| | |
|---|---|
| اللّٰہُ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ہ | اللہ نہ چاہے - بے شک اللہ بڑا علیم و حکیم |
| (آیت ۳۰) | ہے ! |

سُورۃ التکویر میں فرمایا :

| | |
|---|---|
| وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ | اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک |
| اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہ | اللہ نہ چاہے جو سارے جہانوں کا رب |
| (آیت ۲۹) | (مالک و مختار) ہے - |

ان ہی ہدایات کے نتیجے میں حضورؐ نے اُمّت کو تعلیم دی کہ جب بھی کسی کام کی انجام دہی کا وعدہ اور ارادہ کرو تو اِنْ شَاءَ اللہ ضرور کہا کرو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ و کاملہ اور اس کائنات میں صرف اُسی کی ذاتِ بےہمتا کی مشیّت کی کارفرمائی کا قرآن حکیم میں مختلف اسالیب کے ساتھ بار بار ذکر آیا ہے جن میں سے چند کا حوالہ میں اپنی اس گفتگو میں متعدد بار دے چکا ہوں اور چند آیات میں نے ابھی پیش کی ہیں - ان تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدرت و مشیّت پر کامل ایمان و ایقان عقیدۂ توحید کے اثبات میں اور شرک کے ابطال میں بنیادی و اساسی معتقدات میں شامل ہے - لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ط فرما کر واضح کر دیا کہ مخلوقات میں سے چاہے وہ انبیاء و رُسل ہوں، چاہے وہ ملائکہ مقربین ہوں، چاہے وہ اولیاء اللہ اور صلحاء و اتقیا ہوں، چاہے وہ اجرامِ فلکی ہوں، گردشِ لیل و نہار ہو، وہ جنّات و شیاطین ہوں - الغرض ماسوا میں سے کسی میں نہ نفع پہنچانے کی کوئی ذاتی طاقت ہے نہ خیر پہنچانے کی - نہ ضرر پہنچانے کی ذاتی قدرت ہے نہ ضرر سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی، نہ کچھ دینے کی اہلیت ہے نہ کچھ چھیننے کی - اللہ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں کوئی دست گیر نہیں، کوئی مولا نہیں، کوئی حامی و ناصر نہیں - صرف وہی ذات ہے جو نعم المولیٰ و نعم النصیر ہے اور اسی کی ذات وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط کی شان کی حامل ہے اور مطلق نافع و ضار بھی اُسی کی ذاتِ گرامی ہے ——— اگر مخلوق میں سے کسی کو کوئی ایسی استعداد حاصل ہو گی تو وہ اذنِ رب اور مشیّتِ الٰہی کے تابع ہو گی، اور اسی حد تک ہو گی جس حد تک اللہ کی مشیّت چاہے گی اور وہ خالص عطائی ہو گی۔

**نبی اکرمؐ کی مزید وضاحت :** احادیث شریفہ میں مذکور ہے کہ ایک موقع پر نبی اکرم

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:
"میرے بچے میں تم کو چند باتیں بتاتا ہوں اُن کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو!" ان میں یہ بات بھی تھی کہ: "اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ دُنیا کے سب لوگ مل کر بھی چاہیں کہ تم کو کوئی نفع پہنچائیں تو نہیں پہنچا سکتے، مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پہلے سے طے کر دیا ہے۔ اور اگر سب لوگ مل کر بھی چاہیں کہ تم کو کوئی ضرر اور نقصان پہنچائیں تو نہیں پہنچا سکتے، مگر صرف اتنا جتنا اللہ کی طرف سے تمہارے لیے پہلے سے مقدر ہو چکا ہو" (اوکما قال صلّی اللہ علیہ وسلّم)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اذنِ ربّ اور مشیّتِ ربّ سے آزاد ہو کر کسی میں کوئی طاقت نہیں کہ وہ کسی کو کوئی نفع و ضرر پہنچا سکے۔ کسی کی حاجت روائی کر سکے، کسی کی دست گیری کر سکے۔ یہ صرف اور صرف اللہ ہی کی شانِ بے ہمتا ہے جو کہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ اور يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ کی شان کی حامل ہے ـــــ ہماری بے چارگی کا عالم تو یہ ہے جن کا میں دو آیات کے حوالے سے ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ: وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ اس کے مطلب اور مفہوم کا ایک درجہ تو وہ ہے جو ترجمہ میں اختیار کیا گیا کہ: "تمہارے چاہے کچھ نہیں ہوگا جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔" اور اگر اس کا یہ مفہوم لیا جائے کہ: "تمہارا چاہنا بھی اللہ کے چاہنے پر منحصر ہے!" تو اس کی بھی گنجائش موجود ہے اس کی نفی نہیں کی جا سکتی یعنی "چاہت" کا پیدا ہونا بھی اللہ کی مشیّت پر موقوف و منحصر ہے۔

پس قدرت، قوّت، مشیّت ان الفاظ کی حقیقت کو پیشِ نظر رکھیے اور اگر یہ فرق و امتیاز قائم رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اُس کی صفات بھی مطلق اور غیر محدود و لامتناہی ہیں تو یہ **توحید** ہے۔ لیکن اگر اس میں التباس ہو گیا اور کسی درجہ میں بھی ان صفات کو غیر اللہ کے لیے مان لیا گیا تو یہ شرک فی القدرت، شرک فی القوّت اور شرک فی المشیّت ہو جائے گا۔

**شفاعتِ مطلقہ یا باطلہ** اللہ تعالیٰ کی ان صفاتِ قدرت و مشیّت میں التباس کے باعث ہمارے عالم نما جُہلا اور بے علم واعظین و شعراء میں شفاعتِ مطلقہ اور شفاعتِ باطلہ کا تصوّر پیدا ہوا۔ جس کی مسلسل نشر و اشاعت نے ہمارے دین سے ناواقف عوام و خواص کو ایک بہت ہی بڑی گمراہی و ضلالت میں مبتلا کر کے اُن کو دینی فرائض کی انجام دہی

سے غافل، اسلامی اخلاقیات سے عاری اور معصیت کا عادی و خوگر بنا دیا ہے اور ان کو ایسے اعمال و افعال میں مبتلا کر دیا ہے جو اسلام کی دعوتِ توحید، عبادتِ ربّ، اور خلوص و اخلاص کے حقیقی مفہوم اور نجاتِ اُخروی کی ناگزیر شرائط کی بالکل ضد ہیں بلکہ اگر میں یہ عرض کروں کہ عقیدے سے لے کر عمل تک یہ تمام چیزیں مشرکانہ ہی نہیں بغاوت و طغیان ہیں تو بے جا اور غلط نہ ہوگا۔

مجھے احساس ہے کہ میں نے بات بڑی تلخ کہی ہے لیکن اصلاحِ حال کے لیے صحیح تشخیص اور صحیح علاج ضروری ہوتا ہے اور بسا اوقات اس علاج کے لیے تلخ، کڑوی اور کسیلی ادویہ کا دیا جانا بھی ناگزیر ہوتا ہے۔ شرک فی الصفات کے ذیل میں، میں نے جو تین نکات، تین اُصول، اور تین فارمولے آپ کے سامنے رکھے تھے۔ ان پر میری معروضات کو جانچتے اور پرکھتے چلے جائیے۔ اگر میری بات ان کے مطابق ہو اور آپ کے دل کو لگے تو پھر ان کو تسلیم کیجئے اور اس کی ہرگز پروا نہ کیجئے کہ کون سے عقائد ہمیں آباء و اجداد سے وراثتاً منتقل ہوئے ہیں اور ان کی پشت پر عوام و خواص کی کتنی عظیم اکثریت کی تائید موجود ہے۔ غلط بہر حال غلط ہے چاہے اس پر عمل کرنے والے لاتعداد و بے شمار ہوں۔ میں ابتدا ہی میں عرض کر چکا ہوں کہ: "علمِ توحید کے حصول کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ شرک اور اس کی جملہ اقسام کی معرفت حاصل ہو جائے اور انسان یہ جان لے کہ شرک کن کن صورتوں میں حملہ آور ہوتا ہے اور کیسے کیسے بھیس بدل کر آتا ہے، کن کن راستوں سے توحید کی پونجی پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ چنانچہ شرک کے مکمل فہم کے حصول کے بعد ہی مسلمان کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ اپنی حقیقی اور بیش بہا متاعِ ایمان کی حفاظت کر سکے۔ لہٰذا شرک اور اقسامِ شرک کی گفتگو تشنہ رہ جائے گی، اگر اس غلط عقیدے سے تعرّض نہ کیا جائے جو شفاعتِ مطلقہ بلکہ صحیح مفہوم کے مطابق شفاعت بالله کی صورت میں ہمارے معاشرے کی عظیم اکثریت میں موجود ہے، جو رُوح اور عمل دونوں اعتبارات سے خالص مشرکانہ عقیدہ ہے۔

<u>یہ عقیدہ کیا ہے؟</u> مسلمانوں کی عظیم اکثریت کو اس مغالطہ میں مبتلا کر دیا گیا ہے کہ کچھ برگزیدہ ہستیاں ایسی بھی ہیں جو خدا کے فیصلے کو بدلوا سکتی ہیں۔ خدا کے عدل و انصاف کے آڑے آ سکتی ہیں۔ دربارِ خداوندی میں ان کا کوئی ایسا ذاتی مرتبہ، مقام یا منصب بھی

ہے کہ وہ اس کے بل پر مشیّتِ الٰہی اور اس کے فیصلوں کے بدلوانے میں اپنا زور، اثر اور رسوخ استعمال کر سکتی ہیں یہ یقیناً خالص مشرکانہ تصوّر ہے۔ پھر خدا کی قدرت اور مشیّتِ مطلق کہاں رہی؟ اس تصوّر کے نتیجے میں تو مطلق قدرت و مشیّت اس کو حاصل ہو گئی جس کے لیے خدا کے فیصلوں کو بدلوانے کا اختیار تسلیم کر لیا گیا۔ اس طور پر تو خدا کی قدرت و مشیّت ہی نہیں بلکہ اس کی صفتِ عدل بھی مطلق نہ رہی بلکہ وہ بھی مقیّد ہو گئی اور نعوذ باللہ اس طرح تو اللہ عزّ و جلّ پر بھی اس کو فوقیت حاصل ہو گئی جس نے اللہ کے فیصلے میں روک لگا دی اور اس کو بدلوا دیا۔ اس اعتبار سے اس عقیدے نے اللہ تعالیٰ کو اس کے مقامِ رفیع سے گرا کر اُس کے سنگھاسن پر اُسے براجمان کر دیا کہ جس کیلئے اللہ کے فیصلوں کو بدلوانے کا اختیار مان لیا گیا۔ اسی تصوّر، اسی نظریہ، اور اسی عقیدے ہی کا دوسرا نام شرک ہے، جیسا کہ مَیں بالکل آغاز میں وضاحت کر چکا ہوں ـــــ یہاں میں اس بات کی بھی تصریح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ مَیں اس شفاعت کا مؤقّر اور قائل ہوں جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں اور صادق و مصدوق صلّی اللہ علیہ وسلّم نے احادیثِ صحیحہ میں دی ہے۔ مَیں جس شفاعت کی نفی کر رہا ہوں وہ شفاعتِ مطلقہ اور شفاعتِ باطلہ کا عقیدہ ہے۔

**قرآنِ حکیم سے شواہد** قرآنِ حکیم میں جس شفاعتِ باطلہ کی نفی کی گئی ہے اس سے متعلّق مَیں چند آیات پیش کرتا ہوں، پہلے اُن کو سُن لیجئے۔ بعدہٗ مَیں وہ چند آیات پیش کروں گا جن میں اذنِ ربّ کے ساتھ شفاعت اور اور اُس کے چند شرائط و لوازم کا ذکر ہے پھر مَیں اِن کی تشریح میں کچھ عرض کروں گا۔ شفاعتِ مطلقہ کی نفی کو سمجھنے کے لیے ان آیات پر تدبّر کیجئے۔ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

| | |
|---|---|
| وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ (آیت ۴۸) | اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ کام نہ آئے گی۔ نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائیگا اور نہ ہی اُن کی کوئی مدد کی جائے گی۔ |

اسی سورۂ مبارکہ میں بنی اسرائیل کو ایک دوسرے اسلوب سے متنبّہ کیا گیا: ـــ

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ (آیت ۱۲۳)

اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ قبول ہوگا اور نہ اس کو کوئی شفاعت نفع پہنچائے گی اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔

پھر اسی سورۂ بقرہ میں اہلِ ایمان کو خبردار کیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (آیت ۲۵۴)

اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ اُس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کسی کی سفارش ہی نفع پہنچائے گی۔ اور جو لوگ انکار کرنے والے ہیں اپنے اوپر اصلی ظلم ڈھانے والے وہی ہیں

سورۃ الزمر میں فرمایا:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (آیت ۴۳-۴۴)

کیا اس خدا کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے؟ ان سے کہہ دیجئے کیا وہ شفاعت کریں گے۔ جن کے اختیار میں کچھ نہ ہو اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں؟ کہہ دیجئے کہ شفاعت تو کُل کی کُل اللہ کے لیے ہے اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی تو اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے پھر اُسی کی طرف لوٹائے جانے والے ہو!

متذکرہ آیات میں جس شفاعت کی اتنی شدّ و مدّ اور اتنے مؤثر انداز میں نفی کی گئی ہے کہ یہاں تک فرما دیا کہ: قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ تو اس کی اصل غایت یہ ہے کہ مومنین صادقین چوکس اور چوکنے رہیں اور اُس غلط فہمی اور مغالطے میں مبتلا نہ ہوں کہ جس طرح دنیا میں دُنیوی لحاظ سے کوئی مقتدر اور بااثر شخصیت کسی مجرم کی سفارش کر کے اُسے سزا سے بچا لیتا ہے اور اس طرح بااثر اور مقتدر لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنے

والے لوگ قانون کی گرفت سے بے ہوکر جرائم میں جری اور دلیر ہو جاتے ہیں، اُسی طرح عدالتِ اُخروی میں چند مقتدر اور اللہ کی محبوب ہستیاں محض ان سے نام کی نسبت رکھنے کی وجہ سے ان کی سفارش کرکے ان کو خدا کے عذاب اور گناہوں کی پاداش سے بچالیں گی۔ علمی تجزیہ کیجئے تو بالکل واضح ہو جائے گا کہ یہ نظریہ اپنی اصل اور اپنی روح کے اعتبار سے سراسر مشرکانہ نظریہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بظاہر تو کرسیٔ اقتدار اللہ میاں ہی براجمان ہیں۔ لیکن ان سے بالاتر ہستی کوئی اور بھی موجود ہے جو اُن کے عدل میں آڑے آسکتی ہے، اُن کے فیصلے بدلوا سکتی ہے اور مجرمین کو اپنے کرتوتوں کی سزا اور عقوبت سے بچا سکتی ہے۔ اس طرح تو گویا نعوذباللہ ثم نعوذباللہ خدائے قہار کی قہاریت وجبروت اور اس کی عدالت کی کامل نفی ہوگئی اور اُسے بھی پارلیمانی طرز کی حکومت کے آئینی صدر کی حیثیت دے دی گئی کہ دستوری طور پر وہ ملک کا حقیقی سربراہ ہوتا ہے اور کوئی قانون اس کی منظوری کے بغیر نافذالعمل نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ اپنی مرضی میں آزاد نہیں، وہ پارلیمانی کابینہ اور بالخصوص وزیرِاعظم کی مرضی کا تابع ہوتا ہے۔ فیصلہ یہ کرتے ہیں اور SHOW BOY کی طرح نفاذ صدر کے حکم سے عمل میں آتا ہے۔ یا خدا کو دنیا کے ان بادشاہوں پر قیاس کر لیا گیا جو اپنے مقربین ومصاحبین کی سفارشات قبول کرنے پر اپنی بادشاہت کو بچانے کیلئے خود کو مجبورِ محض پاتے ہیں۔

**التباس اور غلط فہمی کے اسباب** | شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور اس نے قیامت تک انسان کو بہکانے کی مہلت مانگی جو اس کو بارگاہِ خداوندی سے مل چکی ہے۔ وہ انسان کو مختلف مغالطوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور انسان اس دامِ ہم رنگِ زمیں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ان مغالطوں میں ایک مغالطہ شفاعتِ باطلہ کا بھی ہے۔

**یہود** | یہود کو اُس نے اِس غلط فہمی میں مبتلا کیا کہ چونکہ ہم اللہ کے جلیل القدر انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس دنیا میں بہت سے اکرام وانعام کی بارش کی ہے لہٰذا ہم اُس کے چہیتے ہوئے اور ہم تو بخشے بخشائے ہیں۔ اس لئے وہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ : نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط (ہم تو بیٹوں کے مانند اللہ کے چہیتے ہیں) اور وہ اِس پندار میں گرفتار تھے کہ : وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط (اور انہوں نے کہا کہ آگ ہم کو ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن !)

**نصاریٰ** | عیسائیوں کو شیطان نے اس مغالطے میں مبتلا کیا کہ انسان پیدائشی طور پر

حضرت آدمؑ کے اُس گناہ کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے جو انہوں نے جنّت میں اُس درخت کا پھل کھا کر نافرمانی کی صورت میں کیا تھا۔ جس کو کھانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ اپنے اکلوتے بیٹے کو بصورت انسان بھیجا اور اس کو اس گناہ کے کفّارے کے طور پر صلیب پر چڑھوا دیا۔ بس اب جو لوگ حضرت عیسٰیؑ کو خدا کا بیٹا مان کر اس پر ایمان لائیں گے وہ آسمانی بادشاہت میں داخل کئے جائیں گے۔ اس حیاتِ دُنیوی کا کوئی کبیرہ و صغیرہ گناہ اُن کی نجات میں آڑے نہیں آئے گا۔ پھر وہ بھی اسی مغالطے میں مبتلا تھے کہ ہم بھی اللہ کو بیٹوں کے مانند عزیز ہیں۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کی جس آیت کے ایک ٹکڑے کا میں یہود کے ذکر میں حوالہ دے چکا ہوں وہ یوں ہے کہ : وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهٗ ط گویا یہ دونوں گروہ اپنے اپنے انبیاء کو اپنے لئے شفیعِ کل سمجھتے تھے ــــــ !!

**بنی اسمٰعیل** اہلِ عرب جو زیادہ تر حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی نسل پر مشتمل تھے خدا کے منکر نہیں تھے۔ بلکہ وہ خدا کی بنیادی صفات کو بھی مانتے تھے۔ وہ اس کائنات کا خالق خدا ہی کو تسلیم کرتے تھے۔ رزق دینے والا، زندگی اور موت دینے والا اُسی کو سمجھتے تھے، اس کی شہادت خود قرآن نے دی ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ کچھ ایسی باتیں بھی مانتے اور کچھ ایسے کام بھی کرتے تھے جن سے خدا کی صفات اور ان کے مقتضیات سے انکار لازم آتا تھا، جو کفر ہے یا خدا کی صفات اور اس کے حقوق میں دوسروں کی شرکت لازم آتی تھی جو شرک ہے۔ قرآن مجید میں اُن کے باطل نظریات پر مختلف انداز میں تنقید کی گئی ہے۔ ان کے مشرکانہ عقیدوں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جن معبودانِ باطل کی وہ پرستش کرتے تھے۔ جن کے سامنے وہ مراسمِ عبودیّت بجا لاتے تھے تو وہ ان کو اللہ کے ہاں اپنے لیے سفارشی اور شفیع سمجھتے تھے ــــــ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے یہ معبود اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر کے ہماری بگڑی بنا سکتے ہیں۔ اس باطل عقیدے کا سورۃ الزمر میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے :

| | |
|---|---|
| وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ | اور جنھوں نے اللہ کے سوا مددگار ٹھیرا لئے |
| أَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ | ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کو محض اس لئے |
| إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط (آیت ۳) | پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔ |

**اُمّتِ مُسلمہ** بڑے دُکھ کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ بدقسمتی سے صدیوں کے علمی، فکری،

علمی اور سیاسی انحطاط اور دوسرے مذاہب کے ذہنی و فکری غلبے اور دین (بالخصوص قرآن مجید اور حدیث شریف) سے لاعلمی اور عدمِ واقفیّت کے سبب سے مسلمانوں کی عظیم اکثریّت بھی اس مغالطہ اور "خوش فہمی" اور نا عاقبت اندیشی میں مبتلا ہوگئی کہ جب ہم اُمّتِ مسلمہ اور دامنِ محمّدی علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسلام سے وابستہ ہیں تو حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہماری لازماً شفاعت فرمائیں گے، اور ہم نارِ جہنّم کے عذاب سے بچا لیے جائیں گے۔ اس طرح اس باطل عقیدے کی وجہ سے ہماری یہود و نصاریٰ سے ایک گونہ مماثلت و مشابہت پیدا ہوگئی اور ہماری عظیم اکثریّت اسی باطل نظریے اور عقیدے کی وجہ سے فرائضِ دینی سے غافل، اعمالِ صالح اور اسلامی اخلاق سے عاری اور معاملات میں خالص دنیا پرستی اہوا پرستی اور مال و منال کی اندھی محبّت میں گرفتار ہوگئی ——— قانونی طور پر سب مسلمان لیکن عملی طور ان میں وہ سب اقسام انتہائی گھناؤنی شکل میں موجود، جو کفّار و فجّار اور مشرکین میں پائی جاتی ہیں — اُن کے نزدیک دین ایک DOGMA سے زیادہ کوئی مقام نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو جانا ہی اُن کے نزدیک شفاعتِ محمّدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام اور نجاتِ اُخروی کے لیے کافی ہے۔ چاہے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے یہ کتنی ہی مشرکانہ اور مبتدعانہ زندگی بسر کر رہے ہوں۔ یہ قول و عمل کا تضاد اور یہ کفرانِ نعمت نتیجہ ہے اس عقیدے کا جس کو میں نے شفاعتِ مطلقہ اور شفاعتِ باطلہ سے تعبیر کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ قدرت و مشیّت اور عدل میں قطعاً شرک ہے۔

رہی باقی امّت، تو اُس میں بھی اکثر کا حال یہ ہے کہ اُن کا مبلغِ علم بس چند فقہی مسائل تک محدود ہے اور وہ اگرچہ فرائض کی پابندی بھی کرتے ہیں لیکن معاملات، اخلاقیات اور اُن کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے بہت سے بلکہ بے شمار گوشے دین کی گرفت سے بالکل آزاد ہیں — دراصل اس تل کی اوٹ میں بھی اسی شفاعتِ باطلہ کا پہاڑ اوجھل ہے!

بہت ہی قلیل تعداد ہوگی، اُن خوش بختوں اور سعید لوگوں کی کہ جن کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ "میری اُمّت میں تا قیامِ قیامت ایک ایسا گروہ موجود رہے گا جو حق پر قائم رہے گا اور حق کا داعی ہوگا" (او کما قال صلّی اللہ علیہ وسلّم!)

**اغیار کی طنز و تعریض** | واقعی جس صورتِ حال کا میں نے بڑے دکھ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کو دیکھ کر ہی تو عہدِ حاضر کے عظیم مغربی مفکّر آنجہانی جارج برنارڈشا نے کہا

تھا کہ: "میں جب قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانی مسائل کے حل کے لیے دنیا میں اِس سے بہتر کوئی کتاب نہیں اور جب مسلمان قوم کو دیکھتا ہوں تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ اس سے زیادہ پست اخلاق اور ذلیل و خوار قوم اور کوئی نہیں۔"

**نبی اکرمؐ کا عمل** نسل اور دین کے قانونی تعلق کی بنیاد پر شفاعت و نجات کے غلط نظریہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اسالیب سے تردید فرمائی ہے۔ ان تعلیمات میں خصوصیت کے ساتھ وہ خطبہ ہمارے لئے مشعلِ راہ بن سکتا ہے جو حضورؐ نے اپنے اہلِ خاندان کو جمع کر کے ارشاد فرمایا تھا۔ رشتہ داری کے لحاظ سے جو لوگ قریب ترین تعلق کے حامل ہو سکتے ہیں، اُن میں سے دو کو بطور نمائندہ نام بنام مخاطب کر کے فرمایا کہ:

يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ لَا اَمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

اے فاطمہ! محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لختِ جگر، اپنے آپ کو اللہ کی آگ سے بچانے کی فکر کرو اِس لیے کہ میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اور اے صفیہ!! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی اپنے آپ کو اللہ کی آگ سے بچانے کی فکر کرو کیونکہ میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لرزا دینے والا ہے۔ غور کیجئے کہ جب نبی اکرمؐ اپنی نورِ چشم اور اپنی پھوپھی رضی اللہ عنہما کو اللہ کی پکڑ سے بچانے کے لیے مجبوری اور معذرت فرما رہے ہیں تو ہما شما کس شمار و قطار میں آئیں گے۔

**شفاعت اور نصوصِ قرآنی** قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر واضح طور پر عدالتِ اُخروی میں عدل و انصاف کے لئے قواعد و ضوابط بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

اِن میں سے پہلا ضابطہ تو کھلے کھلے کُفّار اور مشرکین کے لیے مقرر ہے، جن میں سے چند کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں جو بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے بیان فرمایا گیا تھا۔ اب چند اور سُن لیجئے۔ سُورۃ الشعراء میں فرمایا کہ جب "غَاوِيْن" (راہِ حق سے بھٹکے ہوئے یعنی مشرکین و کفّار) کے لیے جہنم کھول دی جائے گی اور وہ اُس میں اُوندھے مُنہ جھونکے جائیں گے تو وہ اپنے ان لیڈروں اور معبودانِ باطل سے، جن کی وجہ سے وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے، باہم جھگڑا کرتے ہوئے کہیں گے:-

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ وَمَا اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ٥ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ٥ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ٥ (آیت ۹۷ تا ۱۰۱)

خدا کی قسم ! ہم کھُلی گمراہی میں تھے جب کہ تم کو خداوندِ عالم کا ہمسر ٹھہراتے رہے اور ہم کو تو بس مجرموں نے گمراہ کیا، تو اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ دلی دوست !

سُورۃ المدّثر میں فرمایا : فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (آیت ۴۸) :-
(پس (آخرت میں) شفاعت کرنے والوں کی کوئی شفاعت اُن (مشرکین وکُفّار) کو کوئی فائدہ نہیں دے گی !)

سُورۂ اعراف میں مشرکین وکُفّار کا وہ قول نقل ہوا ہے جو وہ آخرت میں انتہائی حسرت ویاس کے ساتھ اور پشیمانی کے طور پر کہیں گے کہ : فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَاۤ (پس کیا اب ہمیں کچھ سفارشی ملیں گے جو ہماری سفارش کریں ؟)

پوری نوعِ انسانی کے لیے جن میں مشرک، کافر، منافق، مومن سب ہی شامل ہیں۔ عدالتِ اُخروی میں عدل وانصاف کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں جو ضابطے بیان فرمائے ہیں اُن میں سے بھی چند کا ذکر مفید مطلب ہوگا۔

سورۂ بقرہ میں آیت ۱۴۱ میں اس ضابطے کو ان الفاظ میں بیان فرمایا : لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ج ("یعنی سابقہ امّتیں جو گزر چکیں" اُس کو ملے گا جو کچھ اُس نے کمایا اور تم کو ملے گا جو کچھ تم نے کمایا !) اِسی سورہ مبارکہ میں آخری آیت ۲۸۶ کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا : لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ : (اللہ کسی جان پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر ایک کمائے گا اور بھرے گا جو کرے گا !)

آخرت میں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، اور نفسی نفسی کا عالم طاری ہوگا۔ کسی کا بوجھ کوئی اٹھانے والا نہیں ہوگا ۔۔ یہ مضمون قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے بیان ہوا ہے۔ چنانچہ سورۃ النجم میں فرمایا :

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ٥ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ

اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اُس نے سعی کی ہے۔ اور یہ کہ اُس کی

بُرٰی ۝ ثُمَّ یُجۡزٰىهُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰی (آیات ۳۹ تا ۴۱) | سعی عنقریب دیکھی جائے گی۔ پھر اُس کی پوری جزا اُسے دیدی جائے گی۔

یہ مضمون کہ : لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ۝ صیغوں کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ سورۃ الانعام میں بھی، سورۂ بنی اسرائیل، سورۃ الفاطر اور سورۃ الزّمر میں بھی۔

**شفاعتِ حقّہ** | جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا کہ شفاعتِ حقّہ کا قرآن مجید میں ذکر موجود ہے اور شفاعتِ حقّہ کا عقیدہ و نظریہ عین حق بلکہ جزوِ ایمان ہے۔ لیکن یہ شفاعت چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے، جس کا میں قدرے تفصیل سے آگے ذکر کروں گا۔ اس سے قبل میں چاہتا ہوں کہ حکمتِ شفاعت کی کچھ وضاحت کر دوں۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشّہادۃ ہے، وہ علّام الغیوب ہے، وہ علیم ہے اور علیم بھی کیسا علیم، کہ مَا کَانَ وَمَا یَکُوۡنُ اور وَهُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ کی شان کا حامل۔ اُس کی عدالتِ اُخروی میں حضرت آدمؑ سے لے کر تا قیامِ قیامت جتنے بھی انسان پیدا کیے گئے تھے۔ وہ سب کے سب حساب کتاب کے لیے اپنے اپنے اعمال ناموں کے ساتھ حاضر ہوں گے اللہ عزّوجلّ اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر جانتے ہیں کہ کون کیا کما کر لایا ہے۔ کون سزا کا مستوجب ہے اور کون جزا کا استحقاق رکھتا ہے اور کون ہے جو رعایت اور رحم و کرم کا مستحق ہے۔ وہ چاہیں تو اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر باغیوں کو، طاغیوں کو، سرکشوں کو، نافرمانوں کو، کافروں اور مشرکوں کو نارِ جہنّم میں جھونکنے اور فرماں برداروں کو نیکو کاروں کو، مومنین صادقین و قانتین کو جنّت کے باغات میں داخل ہونے کا حکم صادر فرما دیں اور جو رعایت کے مستحق ہیں ان کو چاہیں تو اپنی شانِ رحمت اور شانِ غفّاریّت کے طفیل بخش دیں اور چاہیں تو اپنی شانِ قہاریّت، شانِ غیوریّت کا مظاہرہ فرمائیں اور اُن کو بھی سزا کا سزاوار ٹھہرا دیں۔ چاہیں تو سب کو بلا حساب و کتاب معاف فرما دیں اور سب کو خلودِ جنّت سے سرفراز فرمائیں اور چاہیں تو سب کو نارِ جہنّم کا ایندھن بنانے کا فیصلہ صادر فرما دیں۔ چونکہ اُن کی تو شان ہی یہ ہے کہ : فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ اختیارِ مطلق کی جس پر کوئی تحدید نہ ہو اور اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ کی اعلیٰ شان کا مقتضیٰ یہی ہے THE ABSOLUTE SOVEREIGNTY اسی طرزِ عمل کا نام ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا یُرِیۡدُ ______

اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ط اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ط سے یہی اطلاقی و مطلق شان مراد ہے۔ وہ ربّ العٰلمین ہے، وہ مالک الملک ہے، وہ العزیز الجبّار المتکبّر ہے۔ وہ اپنے بندوں، اپنے غلاموں اور اپنی مخلوق کے ساتھ جو چاہے معاملہ کرے۔ یہی بات ہے جو آخرت میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط (سورۂ مائدہ آیت ۱۱۸) لیکن جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ اس آیتِ کریمہ میں اس کی صفت العزیز کے ساتھ ساتھ صفتِ الحکیم بھی بیان ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر العزیز الحکیم کی صفات ساتھ ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ یعنی وہ تعجہاں العزیز (زبردست و غالب) ہے وہاں وہ الحکیم بھی ہے اور اُس کی حکمت ہی کے مقتضیات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر فیصلے صادر فرمانے کے بجائے ہر انسان کے اعمال و افعال نیّتوں اور ارادوں کا محاسبہ فرمائے، اس پر شہادتیں گزارے، اس کو صفائی کا پورا موقعہ عنایت فرمائے، ان پر قطع عذر فرمائے۔ وہ العادل، المنصف، الرؤف، الرحیم بھی ہے۔ لہٰذا ان صفات کا آخرت میں بھرپور ظہور ہوگا۔ عدل و انصاف اس کی شانِ رأفت و رحیمیت کے لوازم میں سے ہیں۔ اس کے لیے بطورِ دلیل سورۂ قلم کی یہ آیات کافی ہیں۔

| | |
|---|---|
| اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ (آیت ۳۵-۳۶) | کیا ہم فرماں برداروں کا حال (انجام کار کے لحاظ سے) مجرموں جیسا کر دیں گے؟ تمھاری عقل کو کیا ہوگیا ہے؟ تم کیسے (ناروا) حکم لگاتے ہو؟ |

**شفاعتِ حقّہ کے شرائط و لوازم** | شفاعت دراصل ایک اعزاز و اکرام ہے اور وہ اس سے اپنے ان محبوب بندوں کو سرفراز فرمائے گا جو منعم علیہم کے زمرے میں شامل ہوں گے۔ یعنی انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالحین کو ــــ اور اس طائفہ کے سرخیل و سردار ہیں شافعِ محشر جناب محمّد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ اللہ کے ان محبوب عباد الرّحمٰن کے متعلّق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ جس کے حق میں جی چاہے سفارش کریں گے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا مجرم کیوں نہ ہو۔ تو یہ عقیدہ اور نظریہ نہ صرف ان عباد الرّحمٰن کا سوءِ ادب ہے بلکہ اُن کی شان میں گستاخی ہے۔ لہٰذا ایسی بے سروپا سفارش کا احکم الحاکمین

کی عدالت میں پیش کرنے کا عقیدہ و تصوّر سراسر ضلالت و گمراہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی شفاعت ردّ کر دی جائے گی اور یہ استدراد اِن عباد الرحمٰن کی سبکی بلکہ اہانت کا باعث ہو گا۔ جبکہ میں نے عرض کیا کہ شفاعت تو دراصل اعزاز و اکرام ہے، مقامِ شرف و عزّت ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں شفاعت کا ذکر فرمایا ہے وہاں بِاِذْنِ اللہ اور لِمَنِ ارْتَضٰی کی شرط لگا دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علمِ کامل اور علمِ قدیم میں جو لوگ رعایت کے مستحق ہیں اور جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ معاف فرمانے کا فیصلہ پہلے ہی فرما چکا ہے ان فیصلوں کے اعلان (DECLARATION AND ANNOUNCEMENT) سے قبل اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ نیکوکار، محبوب بندوں (انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین) کو شفاعت کی اجازت دیں گے اور وہ شفاعت قبول کی جائے گی۔ نیز پھر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس شفاعتِ کبریٰ سے سرفراز فرمایا جائے گا کہ جو لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنّم میں سزا بھگت رہے ہیں، اُن میں جن لوگوں کے دل میں ذرّہ اور رتّی برابر بھی ایمان ہے ان کو شافعِ محشر ؐ کی شفاعت پر جہنّم سے نجات ملے گی اور پھر جہنّم ہمیشہ کے لیے بند کر دی جائے گی جیسا کہ خبر دی صادق و مصدوق صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لیکن یاد رکھئے کہ جہنّم وہ جگہ ہے جس کے لیے سورۃ الفرقان میں فرمایا کہ : اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ؕ "جہنّم مستقل جائے قرار اور عارضی قیام دونوں اعتبارات سے بہت برا ٹھکانا ہے"۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ ؕ

اس مقدّمے کے ساتھ سب سے پہلے تو اس شفاعت کا ذکر سُنیئے جو آیت الکرسی میں وارد ہوئی ہے، جس آیت کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن کی تمام آیات کی سرتاج قرار دیا ہے۔ اس آیتِ کریمہ و عظیمہ کے درمیان میں شفاعت کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا :

| | |
|---|---|
| لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج | جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کی ملک ہے (جو اللہ الحیّ القیّوم ہے) کون ہے جو اُس کے حضور اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت (سفارش) کر سکے؟ وہ جانتا ہے |

(آیت ۲۵۵) جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

اس آیت میں جو استثنائی اِلَّا آیا ہے وہ قیامت کا اِلَّا ہے کہ اس استثنیٰ نے توحید اور ایمان اور اعمالِ صالح و حسنات کو شرک و کفر اور بدعملی و سیئات سے بالکل ممیّز کر دیا اور اس خام خیالی کی تردید کر دی کہ اللہ کی عدالت میں کوئی بھی اپنے مقام و مرتبہ، اپنی حیثیت اپنی قوّت، اپنی وجاہت اور اپنی مشیّت (ارادے)، کسی بھی اعتبار سے اس پوزیشن میں نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو بدلوا سکے۔ اس مضمون و مفہوم کو سُورۃ الانبیاء میں یوں بیان فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ٥ (آیت ۲۸)

وہ (اللہ) ان کے آگے اور ان کے پیچھے جو کچھ ہے، سب سے باخبر ہے اور شفاعت نہیں کریں گے مگر اُس (اللہ) سے ڈرتے ہوئے صرف اُس کے لیے جس کے لیے وہ (اللہ) پسند فرمائے!

اس آیت کے سیاق میں اہلِ کتاب اور بنی اسمٰعیل کے شفاعتِ باطلہ کے عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ (اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلّم) آپ سے پہلے بھی جو رسول آئے اُن کی طرف یہی وحی کی جاتی رہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس صرف میری ہی بندگی کرو ـــــ اہلِ کتاب اور مشرکینِ مکّہ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن کی اولاد ہے انہوں نے خدا کے رسولوں اور نبیوں کو اللہ کی اولاد قرار دے دیا ہے۔ اللہ ان باتوں سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ بلکہ سارے انبیاء و رسل خدا کے مقرّب بندے ہیں۔ وہ اُس کی عدالت میں بات میں پہل نہیں کرتے، وہ بس اُس کے حکم ہی کی تعمیل کرتے ہیں" وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ٥ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ٥ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ٥ (آیات ۲۵، ۲۶، ۲۷)

اس کے بعد وہ اٹھائیسویں آیت ہے جس میں شفاعت کا یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ شفاعت صرف اُس کی اجازت اور مرضی سے ہو گی اور اُن ہی کے حق میں ہو گی جن کے

حق میں وہ تو شفاعت قبول فرمانے کا پہلے ہی فیصلہ فرما چکا ہوگا۔

**شفاعت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے علمِ کامل کا ذکر ——؟!**

آیت الکرسی اور سورۂ انبیاء میں شفاعت کے ذکر کے بعد اور پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ کامل کا جو ذکر فرمایا کہ : یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۔ تو اُس کی حکمت بھی سمجھ لیجئے۔ خدا کا علم کامل ہے اور ہر غلطی سے منزّہ ہے۔ اُس کی جناب میں کسی کو از خود سفارش کیلئے زبان کھولنے کی جسارت کا مطلب تو یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ اس شخص کے بارے میں خدا کو پوری آگاہی نہیں ہے اور وہ اپنی سفارش سے اُس کی معلومات میں اضافہ یا اُس کی معلومات کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ ماضی و مستقبل کے پورے حالات سے باخبر ہے۔ وہ اللطیف الخبیر ہے۔ چنانچہ سُورۂ طٰہٰ میں بھی اس بات کو واضح کیا کہ علمِ الٰہی کی وسعتوں کا کیا ٹھکانا۔ ماسوا کا علم محض عطائی ہی نہیں بلکہ محدود بھی ہے۔

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ٥ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ٥
(طٰہٰ آیات ۱۰۹-۱۱۰)

اس (قیامت کے) دن کسی کو کسی کی شفاعت کچھ نفع نہ پہنچائے گی۔ مگر جس کے لیے خدائے رحمٰن اجازت دے اور اُس کے لیے کوئی بات کہنے کو پسند کرے، وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے پیچھے اور ان کے آگے ہے اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

شفاعت کے لیے اذن اور رضائے باری تعالیٰ کی شرائط سے متعلق میں چاہتا ہوں کہ چند آیات مزید پیش کر دوں تاکہ مسئلہ مزید واضح ہو جائے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ط
(آیت ۲۳)

اور اللہ کی عدالت میں کوئی شفاعت بھی نفع نہیں پہنچا سکتی۔ سوائے اُس شخص کے حق میں جس کیلئے اللہ نے شفاعت کی اجازت دی ہو۔

سورۂ نجم کی آیت کا پہلے بھی حوالہ دے چکا ہوں ایک بار پھر اُس کو سن لیجئے، فرمایا :-

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں ان کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آ سکتی۔ جب تک کہ اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اجازت نہ دے

(آیت ۲۶)　　جس کے لیے وہ کوئی سفارش سننا چاہے اور اس کو پسند کرے۔

سورۃ النباء میں عدالتِ اخروی کا نقشہ اور شفاعت کا ذکر اس طرح فرمایا:

| | |
|---|---|
| يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ | اس (شدنی) دن جبکہ روح (جبریلؑ) |
| صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ | اور (دیگر) ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے |
| أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ | کوئی نہ بولے گا سوائے اُس کے جسے رحمٰن اجازت |
| صَوَابًا ط (آیت ۳۸) | دے اور جو درست اور صحیح بات کہے۔ |

اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ شفاعتِ مطلقہ کا عقیدہ، باطل عقیدہ ہے مشرکانہ عقیدہ ہے۔ چونکہ اس طرح بندے کا اعتماد اللہ کی بجائے مخلوق میں سے کسی بندے پر جم جاتا ہے، وہ عمل سے غافل ہوجاتا ہے۔ پھر اس طرح دو مشیّتیں، اور دو قدرتیں تسلیم کرنی لازم آتی ہیں، جو شرک فی الصّفات ہے۔

شفاعت کے بارے میں قرآن مجید جو تصوّر دیتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں میں سے، اُن کے اعزاز و اکرام کے لیے جس کو چاہے گا اور جس کیلئے چاہے گا، شفاعت کی اجازت دے گا۔ یعنی اصل مشیّت و رضا اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور شفاعت کرنے والا خدا سے ڈرتے ہوئے وہی بات کہے گا جو حق ہوگی، اور ان ہی کے حق میں شفاعت کرے گا، جن کے حق میں شفاعت کا قبول کرنا اللہ کی مشیّت میں شامل ہوگا۔ یہ ہے توحید۔ اس سے ہٹ کر جو کچھ نظریہ ہے وہ اللہ کی قدرت اور اللہ کی مشیّت میں شرک ہے۔

(جاری)


پردے میں رہنے دو!

المعروف

## چادر اور چاردیواری

از مظہر علی ادیب

دیباچہ از ڈاکٹر اسرار احمد

دوسرا ایڈیشن　صفحات ۱۲۸　قیمت چار روپے

مکتبۃ الادیب۔ ۱۸ شارع فتح شیر　لاہور

قسط ۲

# دعوت اِلی اللہ

## (تاریخ کے آئینے میں)

مولانا وصی مظہر ندوی

الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین محمد الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ٥

اس مضمون میں دعوتِ اسلامی کے اہم ترین مرحلے ہجرت کے بارے میں مختصر گفتگو کرنی ہے۔ کفّار کی طرف سے اہلِ ایمان کو قتل یا جلاوطن کردینے کا فیصلہ اور داعیانِ حق کی جانب سے اعلانِ براءت کا مفہوم، جیسا کہ پہلے ہی واضح کیا جا چکا ہے، دراصل یہ ہوتا ہے کہ اب جاہلیّت کے اندر پرورش پانے والی تحریکِ اسلامی کو اپنا ایک مستقل وجود درکار ہے۔ وہ جاہلیّت کے بطن سے اپنی غذا حاصل کرنے کے بجائے اب اس جہانِ مستعار کو پھونک کر "آپ اپنا جہاں" پیدا کرنا چاہتی ہے۔ ایک علیٰحدہ ماحول میں سانس لینے کی یہ طلب دراصل اسی طرح کی ایک فطری طلب ہوتی ہے۔ جس طرح ایک بچّہ ماں کے پیٹ میں اپنا وجود ایک خاص حد تک مکمّل کرنے کے بعد اس سے علیٰحدہ ہونے پر فطری طور پر مجبور ہو جاتا ہے۔

فرار اور ہجرت میں درحقیقت یہی عظیم الشّان فرق ہے۔ فرار حالات کا سامنا کرنے سے گریز کا نام ہے۔ وہ ایک منفعلانہ کردار کی پیداوار ہے جبکہ ہجرت حیاتِ نَو کا آغاز اور تعمیرِ خودی کی عظیم جدّوجُہد کا عنوان ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی تقویم کا آغاز سالِ ہجرت سے کیا گیا، کیونکہ درحقیقت ہجرت ہی کے بعد اسلامی معاشرے نے ایک مستقل وجود کی حیثیّت اختیار کی۔

کسی جاہلی معاشرے سے تحریکِ اسلامی کے علمبرداروں کی ہجرت صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ جاہلی معاشرے کی اصلاح سے قطعی مایوسی ہو جائے۔ حتّٰی کہ اس میں سے کسی صالح فرد کے ملنے کی توقّع باقی نہ رہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جاہلی معاشرے میں سے حق کے علمبرداروں کی ایک اچھی خاصی تعداد

نکل آئے۔ جن کے ذریعہ ایک علیحدہ آزاد اور خود مختار اسلامی معاشرے کی داغ بیل ڈالی جاسکتی ہو۔ پھر کوئی مناسب خطۂ زمین بھی مل جائے، جہاں ان افراد کو مزید تربیت دے کر ایک اسلامی معاشرے کو پروان چڑھانا ممکن ہو۔

پہلی صورت میں اللہ کا پیغمبر ایک مشفق طبیب کی طرح پہلے اپنی قوم کے علاج کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ تاریخ انسانی کے تجربات آفاقِ کائنات میں پھیلی ہوئی آیات، اور نفسِ انسانی میں چھپی ہوئی علامات کے ذریعہ اُن کو گمراہی سے ہدایت کی طرف اور ظلمتوں سے نور کی طرف نکال کر لانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب علاج سے مکمل مایوسی ہو جاتی ہے تو پھر بادلِ ناخواستہ انسانیت کی بہتری کے جسم سے اِس فاسد عضو کے کاٹنے کی سفارش کرتا ہے۔ اِس سفارش کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغمبر اور اُس کے ساتھیوں کو اپنی قوم سے فوراً جدا ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ پلٹ کر قوم کی طرف دیکھنے سے بھی روک دیا جاتا ہے۔ پھر صالح عنصر کی اس علیحدگی کے بعد قوم کو کسی نہ کسی ارضی یا سماوی عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

لیکن ہجرت کی یہ صورت صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ انبیاء کے سوا کوئی اور داعیٔ حق اخلاص اور بے غرضی، محنت اور جانفشانی، قول و فعل کی یکسانی اور فصاحت و معجز بیانی کا نہ وہ معیار قائم کر سکتا ہے جو انبیاء کا خاصہ ہے اور نہ قوم کے مطالبے کے مطابق معجزات دکھا سکتا ہے۔ اِس لیئے کوئی غیر نبی کامل طور پر اتمامِ حجت نہیں کر سکتا۔

چونکہ انبیاء کی جانب سے اتمامِ حجت کے بعد قوم کی جانب سے دعوتِ اسلامی کو قبول نہ کرنا کسی غلط فہمی پر مبنی نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اُس کا باعث محض ہٹ دھرمی اور ضد ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ :۔ (اور انہوں نے ان (آیات) کا سختی سے انکار کیا حالانکہ دلوں میں وہ اُن کی (سچائی کا) یقین کر چکے تھے۔)

اس لیے ظاہر ہے کہ اس قسم کے اتمامِ حجت کے بعد انکار پر اڑے رہنے والوں کو دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ انسان کو دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے۔ امتحان کی یہ مصلحت اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ انسان پر حق واضح نہ ہوا ہو۔ لیکن جب حق واضح ہو جائے اور اس کے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ تو پھر منکرین حق کو مزید مہلت دینے کا کیا فائدہ؟ ایسے لوگوں کی ذہنیت تو وہ بن جاتی ہے کہ اگر وہ تمام حقائق کو دیکھنے کے بعد دنیا میں پھر بھیجے جائیں تو وہ پھر اپنے کفر اور اپنی شرارتوں کی طرف لوٹ

جائیں : وَلَوْرُدُّوا لعادوا لمانهوا عنه :۔ (اور اگر ان کو دوبارہ (دنیا کی طرف) لوٹایا جائے تو وہ وہی حرکتیں کرنے لگیں جن سے اُن کو منع کیا گیا ہے ) یہی وجہ ہے کہ جوں ہی انبیاءِ کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کسی قوم کے بارے میں مایوس العلاج ہونے کا فیصلہ دیتے ہیں تو ویسے ہی اس قوم پر عذابِ الٰہی نازل ہو جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السّلام نے : لا تذر علی الارض من الکافرین دیاراً (اس سرزمین پر کافروں میں سے کوئی رہنے بسنے والا نہ چھوڑ) کے الفاظ ادا بھی نہ کئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو گیا : مما خطیئاتهم اغرقوا فادخلوا ناراً : (اپنے گناہوں کی وجہ سے ان کو غرق کر دیا گیا۔ پھر ان کو زبردست آگ میں جھونک دیا گیا۔)

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، چونکہ اس درجہ کا اتمامِ حجّت صرف انبیاء ہی کے ذریعہ ممکن ہے اس لیے نبوّت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد اب کسی بھی قوم کو عذابِ الٰہی سے مکمّل طور پر ہلاک نہیں کیا جاتا۔ اور نہ اب کسی داعیٔ حق کو کسی قوم کے بارے میں مکمّل مایوسی کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے بلکہ ہر داعیٔ حق اپنی دعوت کو اپنے ماحول اور اپنی قوم میں پھیلانے پر اُس وقت تک مامور ہے جب تک کہ اس کو دعوت کے کام سے مکمّل طور پر بجبر روک ہی نہ دیا جائے۔

لیکن ہجرت کی دوسری صورت صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر تحریکِ اسلامی کو ایسے حالات سے سابقہ پیش آ سکتا ہے۔ جب کہ جاہلی معاشرے کے بارے میں مکمّل مایوسی تو نہ ہوئی ہو لیکن اہلِ ایمان کا ایک اچھا خاصا گروہ تیار ہو گیا ہو، جو ایک اسلامی معاشرہ کی تعمیر کے لیے کافی ہو اور کوئی مناسب خطّۂ زمین بھی مل جائے جہاں یکسوئی کے ساتھ دعوت و تربیت کا کام کیا جا سکتا ہو۔ ایسی صورتِ حال میں اصل داعیٔ حق اپنی قوم کو بالعموم سب سے آخر میں چھوڑتا ہے البتّہ اپنے متبعین کو نئے مرکزِ اسلامی کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دیتا ہے۔ بلکہ ایک مرحلے میں تو تمام ایمان لانے والوں کے لیے ہجرت کرنا لازمی ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ اس وقت ہجرت نہ کرنے والوں کا ایمان تک معتبر نہیں سمجھا جاتا۔

ظاہر ہے کہ اس دوسری صورت میں جاہلی معاشرے میں سے حق کو قبول کرنے والے افراد کے نکلنے کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب دعوتِ اسلامی کو مکمّل فتح حاصل ہو جاتی ہے تو اس وقت قریب قریب سبھی لوگ ایمان لے آتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کا درجہ فتح سے قبل ایمان لانے والوں کے درجہ سے کم ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت بھی اگر کچھ لوگ اپنے کفر پر ڈٹے

(بقیہ ص۷۱ پر)

# مسیحی رہبانیت کی تاریخ

از شفقت حسین انجم (جھنگ)

رہبانیت کے لغوی معنی خوف کے ہیں یعنی مسلکِ خوف زدگی۔ اصطلاحاً مراد ہے کہ اپنے نفس کی تطہیر کی خاطر تارکِ الدنیا ہو جانا اور جنگلوں اور پہاڑوں میں گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھنا اور اپنے نفس کے لیے جائز آسودگیاں بھی چھوڑ دینا۔ رہبانیت اسلام میں سخت منع ہے۔

حضرت مسیحؑ کے دو سو سال بعد تک کلیسا اس بدعت سے ناآشنا تھا۔ مگر ابتداء ہی سے وہ تخیلات اس کے اندر تھے جو رہبانیت پر منتج ہوتے۔ مثلاً مذہب پرستی میں دنیاوی کاروبار سے بدکنا، تجرد کو تقدس سمجھنا اور عورت سے جائز تعلق کو بھی نجاستی سمجھنا۔ تیسری صدی تک یہ غلط فہمی باقاعدہ وبا بن گئی۔ اس کے تین تاریخی اسباب تھے۔ اوّل یہ کہ قدیم مشرک معاشرہ میں شہوانیت اس شدت سے پھیلی ہوئی تھی کہ اس کے توڑ کے لیے عیسائی علماء نے اعتدال کی بجائے انتہا پسندی اختیار کی۔ نکاح کو نجاست کہا گیا اور دنیا داری کے خلاف اتنی شدت برتی کہ بالکل قلاشی و تارک الدنیا ہونا روحانیت کا کمال و مطلوب سمجھا جانے لگا۔ دوم یہ کہ مسیحیت زیادہ مقبول ہوئی تو عوامیت کے شوق میں ہر بری پسند مشرف بہ مذہب کر لی گئی مثلاً اولیاء پسندی نے قدیم معبودوں کی جگہ لے لی۔ ہورس اور آئسس کے مجسموں کی جگہ مسیح و مریم کے بت پوجے جانے لگے۔ سٹرنیلیا کی بجائے کرسمس کا تہوار منایا جانے لگا۔ قدیم کاہنوں کی طرح عیسائی درویشوں نے بھی تعویذ گنڈے، عملیات، جھاڑ پھونک، فال رمل دلیل، غیب گوئی اور جنوں وغیرہ کو تابع و دفع کرنا شروع کر دیا۔ عوام کی پسند کے مطابق گندا اور ننگا ہونا اور کسی بھٹ یا کھوہ میں رہنا تصوف کا مرحلہ قرار پایا اور ایسے لوگوں کی کرامتوں کے جھوٹے سچے قصوں سے "تذکرۃ الاولیاء" قسم کی کتابیں لبریز ہو گئیں۔ سوم یہ کہ اناجیل مرتب کرنے کا خیال انہیں ظہورِ مسیح کے کئی سو سال بعد آیا اور لوقا، مرقس وغیرہ کے کردار قطعاً مستند نہ تھے۔ پھر مسیحیت کی سرحدیں متعین کرنے کے لیے کوئی واضح شریعت و مفصل سنت نہ تھی۔ شریعتِ موسوی کو تو ویسے بھی بھلا بیٹھے تھے۔ چنانچہ اِدھر اُدھر ہاتھ مارے گئے۔ بدھ مذہب کے بھکشوؤں، ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں۔ قدیم مصری

فقرا، ایران کے مانویوں اور افلاطون وغیرہ سے متأثر ہوکر نفس کا برتن رہبانیت کی ریت سے ملنجھے اور یوں اذیت پسندی کے مظاہرے کرنے کو ولی اللہ بننے کی کنجی قرار دیا گیا۔
ساتویں صدی عیسوی تک مسیحیت کے تمام کے تمام اکابر ترین علما صیغبیت کے زبردست علمبردار تھے۔ عیسائیوں میں رہبانیت کا آغاز مصر سے ہوا۔ بانی سنیٹ یعنی ولی انطونی تھا جو سنہ ۲۵۱ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۳۵۶ء میں مرگیا۔ وہی پہلا مسیحی راہب تھا۔ اُس نے اپنی دو خانقاہیں بنوائیں اور رہبانیت کو فکری بنیادیں دیں۔ اور پھر یہ سلسلہ ٹڈی دل کی طرح پھیل گیا۔ بعض خانقاہوں میں تو تین تین ہزار راہب اور رہبائیں یکجا رہتے۔ سنہ ۳۲۵ء میں مصر میں ایک عیسائی درویش پا خومیوس نے خانقاہیں بنوائیں پھر یہ جال شام، فلسطین، افریقہ اور یورپ میں امربیل کی طرح پھیلتا ہی گیا۔ اس جاہلانہ نظام کے خدوخال یہ تھے :۔

اوّل یہ کہ سخت ریاضتوں اور نت نئے طریقوں سے اپنے جسم کو زیادہ سے زیادہ اذیتیں دینا۔ اسکندریہ کا سنیٹ میکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر ایک من بوجھ اٹھائے پھرتا۔ چھ ماہ تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اُس مادر زاد برہنہ کو کاٹتی رہیں۔ اُسی کا ایک مرید سنیٹ یُوسی بیوس تو مرشد کے بھی کان کتر گیا۔ ہر دم ڈھائی من کا بوجھ اُٹھائے پھرتا۔ تین سال تک وہ ایک خشک کوئیں میں پڑا رہا۔ ایک سنیٹ سابیوس صرف وہ مکئی کھاتا جو مہینہ بھر پانی میں بھیگ کر سخت بدبودار ہو جاتی۔ سنیٹ پا خومیوس نے ۵۰ سال تک زمین سے پیٹھ نہ لگائی۔ سنیٹ جان تین سال تک مسلسل عبادت میں کھڑا رہا۔ نہ کبھی بیٹھا نہ لیٹا۔ ہر اتوار کو معمولی سا تبرک کھانا ہی اس کی غذا تھی۔ سنیٹ سی میون اسٹائلائٹ کبار مسیحی اولیاؤں میں شمار ہوتا ہے۔ ہر ایسٹر سے پورے چالیس دن مکمل فاقہ کرتا۔ ایک مرتبہ پورا ایک سال ایک ٹانگ پر معلق رہا، اُسے کنوئیں میں سونا مرغوب تھا۔ آخر اُس نے شمالی شام کے قلعہ سیمان کے قریب ساٹھ فٹ بلند ستون بنوایا۔ جس کا بالائی حصہ صرف تین فٹ احاطہ کا تھا۔ اس پر بھی کٹہرا بنا دیا گیا۔ وہاں اُس نے پورے تیس سال گزار دیئے۔ دھوپ، بارش، سردی گرمی سب اُس پر سے گزرتی رہتی تھیں۔ وہ کبھی ستون سے نہ اُترا۔ اُس کا کھانا بذریعہ سیڑھی اوپر بھیجا جاتا۔ پھر اُس نے ایک رسّی کے ساتھ خود کو ستون سے باندھ لیا، یہاں تک کہ رسّی گوشت میں پیوست ہو گئی۔ گوشت سڑ گیا اور اُس میں کیڑے پڑ گئے۔ کوئی کیڑا اُس کے پھوڑوں سے گرتا تو وہ اُسے اٹھا کر پھر پھوڑے میں رکھ دیتا اور کہتا: ”کھا، جو کچھ خُدا نے تجھے دیا ہے“ لوگ دُور دُور سے اُس کی زیارت کو آتے۔ جب وہ مرا تو عیسائی تصوّف کا متفق علیہ باوا آدم تھا۔ ایسی ہی

کئی مثالیں ہیں۔ ایک صاحب پُورے تین سال تک "چپ" رہے۔ کوئی خود کو چٹانوں سے باندھ لیتا کوئی جنگلوں میں مارا مارا پھرتا اور گھاس پھونس نوچ کر کھا کر گزارا کرتا۔ کوئی خود کو آہنی زنجیروں سے جکڑ رکھتا۔ کچھ حضرات پرانے بھٹوں، خشک کنوؤں یا پُرانی قبروں میں رہتے۔ بعض فنا فی اللہ صوفی ہر دم ننگے رہتے اور زمین پر کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگ کر چلتے۔

دوم یہ کہ ہر دم گندا رہنا بھی روحانی پاکیزگی کے لیے ضروری تھا، جسم کی صفائی رُوح کی پلیدی سمجھی جاتی۔ سینٹ انتھونی نے مرتے دم تک اپنے پاؤں نہ دھوئے۔ سینٹ ابراہام نے پورے پچاس سال جسم سے پانی مس نہ کیا۔ ایک مشہور راہبہ کنواری سلویا نے عمر بھر انگلیوں کے سوا اپنے جسم کو پانی نہ لگایا۔ ایک کانونٹ کی ایک سو تیس راہباؤں کی تعریف میں لکھا ہے کہ غسل کا نام سن کر ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

سوم یہ کہ نکاح تک کو فحاشی کہا جاتا، سینٹ باسل تو مسکرانا بھی گناہ کہتا ہے۔ عورت کے سائے سے بھی بدک جاتا۔ عورتوں سے کہا جاتا کہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا ہو تو سدا کنواری رہیں، شادی شدہ ہوں تو شوہروں کو چھوڑ دیں۔ سینٹ جیروم جیسا ممتاز ترین مسیحی عالم لکھتا ہے کہ مسیح کی کنواری دراصل خداوند مسیح کی دلہن ہے اور اس کی ماں خداوند مسیح کی ساس ہے۔ سینٹ نائلس پر "دین داری" کا دورہ پڑا تو دو بچّوں اور اُن کی ماں کو روتا بلکتا چھوڑ کر علیٰحدہ ہو گیا۔ سینٹ امیون نے حجلۂ عروسی میں ہی اپنی دلہن کو ازدواجی تعلق کی نجاست پر وعظ سنایا اور دونوں نے طے کیا کہ مرتے دم تک الگ رہیں گے۔ سینٹ ابراہام اور سینٹ ایلیکس شادی کی پہلی رات فرار ہو گئے۔ ایسے ہی واقعات سے عیسائی اولیاء کے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔ ابتداءً پادری اگر شادی شدہ ہوتا تو بیوی کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ البتہ تقرّری کے بعد شادی قطعاً حرام تھی۔ کسی بیوہ یا مطلقہ یا دو بیویوں کا شوہر اور گھر میں خادمہ رکھنے والا ہرگز پادری مقرر نہ کیا جاتا۔ چوتھی صدی عیسوی میں قدرے مزاحمت کے بعد مغربی کلیسا متفق ہو گیا کہ شادی گھناؤنی اور حیوانی حرکت اور صریح لادینیت ہے۔ چنانچہ شادی شدہ پادریوں کو معزول کیا گیا اور اُن پر مقدمے چلے کہ وہ بیویوں کے ساتھ "ناجائز تعلقات" رکھتے ہیں۔ آخر فیصلے ہوئے کہ وہ کھلے مقامات پر سوئیں اور بیویوں سے دوسرے لوگوں کی موجودگی میں ہی ملیں۔ بقول سینٹ گریگوری ایک پادری چالیس سال تک بیوی سے الگ رہا۔ دمِ نزع بیوی قریب گئی تو بولا: "عورت! دُور ہو جا۔"

چہارم یہ کہ سب سے دردناک اور دل کو خون رُلانے والا باب یہ ہے کہ رہبانیت نے ماں باپ

بھائی بہنوں، بیوی اور اولاد جیسے انسانی قلوب کو بڑی بے رحمی سے کاٹ دیا۔ ایک راہب ایوا گریس سالہا سال سے کسی بنجر صحرا میں اپنے نفس کا برتن مانجھ رہا تھا۔ اچانک ایک روز اس کے والدین کے خطوط اُسے ملے جو اُس کی جدائی میں آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ گرم گرم لہو بہا رہے تھے۔ اُس "دیندار" نے ان خطوط کو کھولے بغیر آگ میں ڈال دیا۔ سنیٹ تھیوڈروس کی ماں اور بہن بہت سے پادریوں کے سفارشی خطوط لے کر بہ ہزار دقت اُس خانقاہ تک جا پہنچیں جہاں اُن کی آنکھوں کا نور مقیم تھا۔ رو رو کر اور چیخ چیخ کر فریادیں کیں کہ بس اِک جھلک دیکھنے کی آرزو ہے۔ مگر وہ خانقاہ سے باہر نہ نکلا۔ سنیٹ مارکس کی ماں نے خانقاہ کے پیر مُغاں (AB B O T) کی ہزار خوشامدیں کر کے اُسے راضی کیا کہ محض چند لمحوں کے لیے وہ اُسے اپنے بیٹے سے ملا دے۔ اُدھر بیٹا ماں سے ملنا نہ چاہتا تھا۔ آخر بادل نخواستہ وہ شیخ طریقت کے حکم کو یوں مانا کہ بھیس بدل کر ماں کے سامنے گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ نہ ماں نے اپنا خون پہچانا، نہ اُس نے ماں کی روتی ہوئی آنکھیں دیکھیں۔ سنیٹ پوئمن اور اس کے چھ بھائی مصر کی ایک ویران صحرائی خانقاہ میں تھے سالہا سال بعد اُن کی بوڑھی ماں اُن کا پتہ پا کر ان سے ملنے گئی۔ اُسے دُور سے آتے دیکھ کر وہ بھاگ کر حجرہ بند ہو گئے۔ ماں باہر بیٹھ کر رونے لگی، چیخ چیخ کر کہا کہ اس بڑھاپے میں اتنی دُور سے چل کر آنکھیں ٹھنڈی کرنے آئی ہوں، تمھارا کیا جاتا ہے جو تمہاری شکل دیکھ لوں۔ کیا میں تمہاری ماں نہیں ہوں مگر ان کھٹور اولیاء اللہ نے کہا "ہم تجھے خدا کے ہاں ملیں گے"۔ ان سے زیادہ دردناک اور خون رُلانے والا قصہ سنیٹ سیمیون اسٹائلائیٹس کا ہے جو ماں باپ کو چھوڑ کر ستائیس سال غائب رہا۔ باپ اُس کے غم میں مر گیا، ماں اُس کے فراق میں جلتی رہی۔ جب بیٹے کی "دینداری" کے چرچے دُور و نزدیک ہوئے تو اُس کا پتہ پا کر بے چاری اُس سے ملنے اُس کی خانقاہ گئی۔ وہاں کسی عورت کو داخلہ کی اجازت نہ تھی۔ ماں نے لاکھ منت سماجت کی کہ یا تو بیٹا چند لمحوں کے لیے اندر بلا لے یا باہر نکل کر صورت دکھا دے۔ مگر اُس "کاملاں را رہنما" نے صاف انکار کر دیا۔ تین دن اور تین رات وہ وہیں سر پٹختی رہی آخر جان دے دی۔ ایک شخص میوٹیسیج جو ایک خوشحال آدمی تھا اچانک "تبلیغی" دورہ پڑا اور وہ اپنے آٹھ سالہ اکلوتے بیٹے کو لے کر ایک خانقاہ میں جا پہنچا روحانی ترقی کے لیے لازم تھا کہ بیٹے کی محبت دل سے نکال دے۔ چنانچہ ظلم و بربریت اور سفاکی و حیوانیت کی شاندار مثالیں قائم کی گئیں۔ اُس کے معصوم بچہ کو اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک مدت تک جسمانی عذاب دیئے جاتے رہے۔ پھر خانقاہ کے "حضرت صاحب" نے حکم دیا

کہ وہ اسے لے جاکر اپنے ہاتھوں سے دریا میں ڈبو دے۔ وہ ستم گر بخوشی تیار ہوگیا مگر جونہی وہ بچے کو جھونٹا دے کر دریا میں دُور پھینکنے لگا، اُسے وعید سنائی گئی کہ وہ ولایت کے امتحان میں پورا اُترکر "ناقصاں را پیر کامل" ہوگیا ہے۔ بچہ بچا لیا گیا۔ سنیٹ جیروم لکھتا ہے اگر تیرا بچہ تیرے گلے میں بانہیں ڈال کر تجھ سے لپٹے اور تیری ماں اپنے دودھ کے واسطے دے اور تیرا باپ تیرے قدموں میں گر کر تجھ سے رک جانے کی التجا کرے پھر بھی تو سب کچھ چھوڑ کر اور باپ کا جسم روند کر ایک آنسو بہائے بغیر ٹھٹھری ہوئی آنکھوں سے صلیب کے جھنڈے کی طرف دوڑ جا، کہ یہی تقویٰ ہے۔ بقول سنیٹ گریگوری ایک نوجوان راہب والدین سے چوری چھپے ایک رات مل آیا خدا نے اسے موت دے دی، اس کی لاش کو قبر نے بھی قبول نہ کیا تاوقتیکہ سنیٹ بلینڈ کمٹ نے اُس کے سینہ پر تبرک رکھا۔ اسی طرح ایک راہبہ مرنے کے تین دن بعد تک عذاب میں رہی کہ ماں کی محبت دل سے نکال نہ سکی تھی۔ یونہی ایک ولی کے بارے میں ہے کہ اس نے کبھی اپنے رشتہ داروں کے سوا کسی سے بے رحمی و بے دردی نہ کی۔

تصوّف کی اِن کڑی ریاضتوں سے اُن "مومنوں" کے انسانی جذبات مر جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مذہبی مخالفوں پر جسمانی عذاب کی انتہا کر دیتے۔ چوتھی صدی تک آتے آتے مسیحیت میں اتنی توّے فرقے پیدا ہوئے اور ان کے درمیان نفرت کی آگ بھڑکتی دیواریں تھیں اور اس آگ پر تیل چھڑکنے والے اُن کے نام نہاد حجرہ بند حضرت صاحب اور مرشد صاحب ہوتے تھے۔ چنانچہ مخالف فرقوں کی خانقاہوں سے کنواری راہبائیں پکڑ پکڑ کر نکالی گئیں اور انہیں مادر زاد برہنہ کر کے خاردار شاخوں سے وحشیانہ انداز میں پیٹا گیا۔ ان کے جسموں پر داغ لگائے گئے۔ ان کی لاشوں کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالی گئی اور پھر انہیں آگ میں جھونک دیا گیا۔ روزانہ ایک ایک چرچ سے سینکڑوں لاشیں نکلتیں۔ اسکندریہ میں ایرین فرقہ کے بشپ نے اتھانا سیوس کے پیروکاروں کے ساتھ اور پھر بعد میں کیتھولک فرقہ کو غلبہ ہوا تو ایرین فرقہ کے ساتھ یہی کیا۔ ایک مرتبہ اسکندریہ میں سنیٹ سائرل کے مرید راہبوں نے مخالف فرقہ درندے بن کر بھاگ کھیلا۔ روم میں ۳۶۶ء میں پوپ لبریس کے مرنے پر دو گروہوں نے پاپائی کے لیے اپنے امیدوار کھڑے کئے اور ابلیس نے دل کھول کر قہقہے لگائے۔ ستم یہ ہے کہ یہ سب کچھ رضائے الٰہی، نجات، تصوّف، شریعت اور ولایت کے نام پر کیا گیا۔ خونریزی کی عادت رُومیوں کی عادتِ ثانیہ اور نشہ بن گئی۔ رُوم کے اکھاڑے تاریخ عالم کہاں بھلا سکے گی، جہاں محض تفریحِ طبع کے لیے روزانہ ہزاروں بے گناہوں کو اذیت پسندی کے

نت نئے تجربوں سے گزار کر اُن کے جسموں کے ریشے اُڑائے جاتے۔

پھر اس دُرویشی کے ساتھ دولتِ دنیا سمیٹنے میں بھی کمی نہ کی گئی۔ چنانچہ پانچویں صدی کے آغاز ہی سے یہ حال تھا کہ روم کا بشپ بادشاہوں کی طرح اپنے محل میں رہتا اور اس کی سواری شہر میں نکلتی تو اُس کی چکا چوند اور جاہ و جلال قیصرِ روم سے کم نہ ہوتے بقول سنیٹ جیروم بہت سے بشپوں کی دعوتیں چوتھی صدی عیسوی میں شاہوں کی دعوتوں کو شرماتیں۔ غریب عوام کی رگوں سے خون نچوڑ نچوڑ کر خانقاہوں میں زر و جواہر بن کر جمع ہوتا رہا۔ اس بدترین استحصال کا حال یہ تھا کہ غریب عوام کے مسخّر ذہنوں میں یہ بات بٹھادی گئی کہ کوئی بھی گناہ سرزد ہو تو اس کا کفارہ (PENANCE) "حضرت صاحب" کے آستانہ عالیہ پر نذرانہ چڑھانے اور چرچ کو بھینٹ دینے سے ادا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ وہی دنیا راہبوں کے قدموں میں آرہی جس سے فرار ان کا دعویٰ تھا۔ پھر راہبوں کی غیر انسانی ریاضتوں اور غیر معمولی مشقتوں نے عوام پر سحر کا افسوں پھونک دیا اور بہت سے رنگے سیاہ اس آڑ میں دنیا پرستی کے گھناؤنے کاروبار کرتے رہے۔ لوگوں کی نظروں کے سامنے ان کی عصمتیں نیلام ہوئیں اور یہ باعثِ نجات و برکت سمجھا گیا۔ سب کچھ لٹ چکا اور چشمِ غیرت پُرنم نہ ہوئی۔ ابلیس کے قہقہے گونجتے رہے۔ نفس کشی کے نام پر چرچ اور خانقاہیں قحبہ خانے بن گئے کہ ہر دور میں جنس نے انسان کی کھوپڑی سنسنایا اور جسم کو نچایا ہے۔ آخر کار فلسطین کے متعلق نیسیا کا سنیٹ گریگوری متوفی ۳۹۶ء لکھتا ہے کہ وہ بدکاری کا اڈا بن گیا ہے۔ انسانی فطرت کبھی اُن لوگوں سے انتقام لیے بغیر نہیں رہ سکتی جو اس سے جنگ کریں۔ چنانچہ رہبانیت اس سے ٹکرا کر بداخلاقی کی اُس پستی میں پہنچی کہ اُس کی داستان آٹھویں تا گیارھویں صدی کی مسیحی تاریخ کے دامن پر بدنماترین داغ ہے۔ دسویں صدی کا ایک اطالوی بشپ لکھتا ہے "اگر چرچ کو بھی بدچلنی کی سزا ملے تو سوائے کم سن بچوں کے کوئی نہ بچے، اور اگر حرامی بچوں سے مذہبی خدمت نہ لی جائے تو کوئی لڑکا خادمِ چرچ نہ نظر آئے۔" قرونِ وسطیٰ کے مصنفین کی کتابیں اس شکوہ سے پُر ہیں کہ راہباؤں کی خانقاہیں چکلوں کو شرماتی ہیں کہ طوائف نے معبد ہی میں جنم لیا اور رقاصاؤں کے جسم کے زاویوں میں معرفتِ الٰہی کے جلوے تلاش کیے گئے۔ اِن "مقدس چاردیواریوں" میں نوزائیدہ حرامی بچوں کا قتلِ عام۔ شیخینِ طریقت اور مذہبی کارکنوں سے اِن کنواریوں کے تعلقات حتیٰ کہ خلافِ فطرت جرائم تک پھیل گئے ہیں اور کلیساؤں میں اعترافِ گناہ (CONFESSION) کی رسم بدکاری کا سرچشمہ بن گئی ہے۔

یہی وہ اخلاقی پستی اور مذہب کے نام پر بدترین استحصال کی انتہا تھی جس کا بھرپور ردِعمل یورپ کی تحریکِ احیائے علوم کے نام سے ہوا اور یورپ کی نئی نسل نے مذہب کے ٹھیکیداروں اور ظالمانہ کلیسائی نظام کے ان داتا پاپاؤں کے خلاف بغاوت کی جرأت کی۔ بالکل یہی کچھ روس میں ہوا جہاں صدیوں کی زار شاہی اور یہودیت کے دھاندلی والے تصوّر کے خلاف بھرپور ردِعمل ہوا۔ اور اشتراکی انقلاب برپا ہوا۔ یہاں ضمناً یہ تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہمارے ہاں جو بزعم خود محقق اور دانشور اسلام کو بھی سامراج کی یادگار اور استحصال کا نشان بتاتے ہیں دراصل اُن مغربی واشتراکی ادیبوں کی تحریروں سے متأثر ہوتے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے ظالمانہ مذہبی نظاموں، نصرانیت اور یہودیت کی چیرہ دستیوں کے خلاف لکھیں۔ مذہب اور مذہب کے اجارہ داروں پر دھواں دھار تنقید کی۔ مذہبی رہنماؤں کو کچلی ہوئی جنس والے ذہنی بیمار، اور شہوت پرست کہا اور اُن سے کھلی جنگ کا اعلان کیا۔ یہ لوگ اُن باغیانہ اور "ترقی پسندانہ" خیالات کو اسلام اور اصل اسلام پر منطبق کرتے ہیں اور زمین سے سرمایہ داری اور آسمان سے خدا کو نعوذ باللہ نکال باہر کرنے اور سماج کی طبقاتی کش مکش اور جدلیاتی روّیوں پر دانشورانہ اظہارِ خیال کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام بھی رہبانیت اور ملائیت کا بدترین مخالف ہے۔ یہ مُلّا اور پیر حرم کا مذہب نہیں بلکہ مجاہد کا دینِ فطرت ہے جیسا کہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میری اُمّت کی رُہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔" (مسند احمد، مسند ابی یعلی)

پہلے مسیحی رُہبانیت کی جو اجمالی تاریخ بیان ہوئی اسے ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن حکیم کا فرمان ملاحظہ کیجیے کہ کس طرح نصرانیوں کے رُہبانیت ایجاد کرنے اور پھر اُس کا حق ادا نہ کرنے کا ذکر کر کے مسیحیت کے کس بگاڑ کی طرف واضح اشارہ کیا ہے..... "اور اُن سب کے بعد ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث کیا اور اُس کو انجیل عطا کی اور جن لوگوں نے اُس کی پیروی اختیار کی اُن کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا۔ ہم نے اُسے اُن پر فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے آپ ہی یہ بدعت نکال لی اور پھر اُس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اُسے ادا نہ کیا (سورۂ حدید آیت ۲۷) یعنی اُن پر رُہبانیت فرض نہ کی گئی تھی بلکہ جو چیز فرض ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ مگر ان لوگوں نے رضائے الٰہی کی طلب میں اُسے اپنے اوپر لاگو کر لیا تھا اور وہ اپنی اس جہالت کے سبب اُلٹا غضبِ الٰہی مول لے بیٹھے۔ رُہبانیت سرتاسر غیر اسلامی چیز ہے اور یہ کبھی دینِ حق میں شامل نہیں رہی، چاہے وہ صحیفۂ ابراہیمی ہو، شریعتِ موسوی

یا تعلیماتِ مسیح، ارشادِ نبویؐ ہے، اسلام میں کوئی رُہبانیت نہیں (مسند احمد) حضورؐ نے ایک مرتبہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سرزنش کی تھی جن کا خیال تھا کہ وہ تمام رات نماز پڑھیں گے، ہمیشہ روزہ رکھیں گے اور کبھی عورت سے واسطہ نہ رکھیں گے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں مگر میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ راتوں کو نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس کو میرا طریقہ پسند نہ ہو اُس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں (بخاری و مسلم شریف) حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے: اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کرے، ایک گروہ نے ایسا کیا اور اللہ نے بھی اُسے سخت پکڑا" (ابو داؤد) ارشادِ خداوندی ہے کہ خدا کسی کے نفس پر اُس کی قوت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص مسجد نبوی میں یوں داخل ہوا کہ اُس کی داڑھی کے بال پریشان تھے۔ حضورؐ نے بلا کر فرمایا کہ جاؤ اپنی حالت سنوار آؤ کہ پراگندہ صورت صرف شیطان کی ہوتی ہے۔ قرآن میں مومنوں کی نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ زمین پر گھوم پھر کر رزق تلاش کرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ گو فضول خرچ بھی حدیث کی رُو سے شیطان کا بھائی ہے مگر حدِّ اعتدال سے زیادہ خرچ میں احتیاط بھی عبث ہے۔ بلکہ مہمان نوازی کے بارے میں قول ہے کہ مہمان کے سامنے اعتدال سے زیادہ رکھنا اسراف اور کم رکھنا بے مروتی ہے۔ فقر اور درویشی بے حد پسندیدہ ہے مگر قدرت ہونے کے باوجود پھٹے حالوں رہنا، اور گردن ڈال کر خود کو مسکین و بے چارہ ظاہر کرنا غضبِ خداوندی کو آواز دینا ہے۔ بلکہ مومنین کو حکم ہوا کہ تمہارے لباس اور رکھ رکھاؤ سے تمہاری مالی حالت ظاہر ہونی چاہیئے۔ صورتِ وحشت جنگلوں میں مارے مارے پھرنا تو کسی حالت میں پسندیدہ نہیں کہا جا سکتا۔ مومن کا تو فرض ہی ہے کہ وہ دنیا کے جھمیلوں میں پھنس کر راستی کی جانب سعی کرے جبکہ ہر طرف شیطان کے ترغیبی حربے موجود ہوں کہ ایمان کا پتہ ہی آزمائش سے چلتا ہے۔

اوپر عیسائی رُہبانیت کی تاریخ پڑھتے ہوئے بار بار یہ احساس ہوتا ہے جیسے یہ صدیوں پرانے قصے کہانیاں نہیں بلکہ اپنے ہی مسخ شدہ اسلامی معاشرہ کے خدّوخال ہیں۔ ہمارے ہاں بھی دینِ اسلام، شریعت، تصوّف اور طریقت کے حوالہ سے روحانیت کی اجنبی تعریفیں کی جاتی ہیں۔ اور بعض سچے اولیاء اللہ کے برگزیدہ کردار کے ساتھ شعبدہ بازی کے مظاہرے اور نفس کشی کے ایسے ہی تجربات بڑے عقیدت مندانہ انداز میں شامل کر لیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر تبلیغ فرضِ عین ہے اور خدا کے

نزدیک پسندیدہ ترین ہے مگر اپنے بیوی بچوں، والدین اور کاروبار جن پر اُس کا زیادہ حق ہے کسی مردِ سادہ کا وہ حق بھلا کر اجنبی بستیوں میں چلے کاٹتے پھرنا، دنیا سے بیزاری کے نام پر جنگلوں کی خاک چھاننا، غاروں میں چوہوں کی طرح چھپ کر رہنا، مادرزاد ننگے پھرنا، ایک ٹانگ پر کسی دریا میں عرصۂ دراز تک معلق رہ کر اللہ ہُو کے تذکرے۔ دین کا بے ضرر اور غیر سیاسی تصور یا ہستیوں اللہ خود پرستیوں والے خانقاہی نظام کی خاص سج دھج بنانے اور "رنگ جمانے" کے اُن خاص لوازمات پر بے جا اصرار کرنا جن سے ہم اچھی طرح آگاہ ہیں، اور جو کچھ ہمارے معاشرہ میں بڑے تفاخر سے اور بڑی عقیدتوں کے مظاہروں کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ مگر قرآن کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے ہم لوگوں کو قطعاً ایسے "تذکرۃ الاولیاء" اور تصوّف کے جھوٹے سچے مظاہر سے مرعوب نہیں ہونا چاہیئے۔ چونکہ قومِ نصاریٰ بھی اسی فریبِ نظر کا شکار ہوئی اور خدا نے نہ صرف اُس کی مذہبی سیادت کی بساط لپیٹ دی بلکہ قرآن مجید میں اُن کے حوالہ سے ایسا کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔

## (بقیہ دعوت الی اللہ از صـ۵۲)

رہنا چاہتے ہیں تو اُن کو معاشرہ میں کار فرمائی کے مقام سے ہٹا کر ماتحت بن کر رہنے کی اجازت دے دی جاتی ہے: حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ۝ (یہاں تک وہ چھوٹے بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں)

ہجرت کا پہلی قسم کی ہو یا دوسری قسم کی، اُس کے مکمل ہوتے ہی نصرتِ الٰہی کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی سنّت ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی

| | |
|---|---|
| وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝ | اور یہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدم اکھاڑنے ہی لگے تھے۔ تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور اگر ایسا ہو جاتا تو یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہر پاتے۔ جیسا کہ ہمارا قاعدہ رہا ہے ان رسولوں کے بارے میں جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے اور آپ کو ہمارے قاعدے میں تبدیلی نظر نہ آئیگی |

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

# ابوالکلامیات

۱- "یہاں سب سے بڑا کام خود زندگی ہے ...... اس سے زیادہ سہل کام کوئی نہ ہوا، کہ مرجائیے اور اس سے زیادہ مشکل کام کوئی نہ ہوا کہ زندہ رہیئے!" (غبارِ خاطر)

۲- "انسانی فطرت کے فضائل کا سب سے بڑا منظر وہ ہے جب وہ باوجود مصائب و آلام میں محصور ہوجانے کے، اُن کاموں کو انجام دینے کے لئے بڑھتی ہے، جن کو آرام و راحت کی گھڑیوں میں بھی انجام دینا مشکل ہوتا ہے۔"

۳- حق گوئی کی راہ میں عموماً دو قوتیں مانع ہوتی ہیں۔ دولت و طاقت اور ذاتی تعلقات و وابستگی لیکن الحمدللہ! یہ دونوں پتھر میری راہ میں حائل نہیں ہوسکتے! ؎

ہم کعبہ و ہم بتکدہ، سنگِ رہِ ما بود
رفتیم و صنم بر سرِ محراب شکستیم!

۴- درد و ندامت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابنائے عصر کی غلامی بھی مقلدانہ تھی اور اب آزادی بھی مقلدانہ!

۵- ہم جب ان لوگوں کی نسبت بحث کرتے ہیں تو ہمارا ہاتھ اپنے دل پر ہوتا ہے۔ جو کسی کے تلوے میں کانٹا چُبھے تو تڑپ جاتا ہے، اس دل کو بھول جاتے ہیں جس کو چترِ شاہی اور تاجِ حکومت کے سائے میں پتھر اور لوہے کا بن کر رہنا پڑتا ہے۔

۶- تاریخ مشاہدے کا نام نہیں ہے بلکہ روایت کا اور پھر قرائن و تجسس ظنونِ غالبہ اور بحث و تحلیل کا!

ہر گُلِ نو ز گلرخ یاد ہمی کند ولے
گوشِ سخن شنو کجا، دیدۂ اعتبار کو؟

ایں نیست کہ صحرائے سخن جادہ ندارد
واژوں روشِ کج نظری راچہ کند کس

۷- بقول حکیم سولن قانون تارِ عنکبوت ہے جو اپنے سے کمزور کو دبا لیتا ہے مگر اپنے سے قوی سے ٹوٹ جاتا ہے۔ پس واقعہ یہ ہے کہ لا حکم الا القوۃ!

۸- علم ایک آلہ ہے جس طرح کے ہاتھ میں ہوگا ویسا ہی نتیجہ پیدا کرے گا۔

ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی دارالشفا ایبٹ آباد

# ہاتھوں کی نہیں
# بلکہ نظام کی تبدیلی

ہمارا اصل مدّعا موجودہ نظام کے چلانے والے ہاتھوں کا بدلنا نہیں ہے بلکہ خود نظام کا بدلنا ہے۔ ہماری کوششوں کا مقصود یہ نہیں ہے کہ نظام تو یہی رہے اور انہی اُصُولوں پر چلتا رہے مگر اس کو مغربی نہ چلائے مشرقی چلائے، یا انگریز نہ چلائے ہندوستانی چلائے یا ہندو نہ چلائے "مسلمان" چلائے۔ ہمارے نزدیک محض ہاتھوں کے بدل جانے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ سُوَر تو بہرحال سُوَر ہے ہی، اور اپنی ذات میں ناپاک ہے خواہ اُسے کافر باورچی پکائے یا مسلمان باورچی۔ بلکہ مسلمان باورچی کا سُوَر پکانا اور بھی زیادہ افسوسناک ہے اور گمراہ کُن بھی۔ بہت سے بندگانِ خُدا، حتّٰی کہ اچھے خاصے پرہیزگار لوگ بھی اُس ظالم کے ہاتھ کا پکا ہُوا سُوَر اس اطمینان کی بنا پر کھا جائیں گے کہ یہ مسلمان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا ہے۔ اور اگر اس پخت و پز کے دوران میں وہ چمچے کی ہر گردش پر بآوازِ بلند بسم اللہ پڑھتا رہے، اور اُس کے چُنے ہوئے دسترخوان پر مسلمانوں کو کافر کے دسترخوان کی بہ نسبت تناول ماحضر کی زیادہ آسانیاں اور آزادیاں میسّر ہوں اور محض طعام کے گرد و پیش کچھ ایسے لوازم بھی فراہم کر دیئے جائیں جو عام طور پر اسلامی لوازم سمجھے جاتے ہیں، تو یہ اور بھی زیادہ سخت دھوکا دینے والی چیز ہوگی۔ اس قسم کی نمائشی اسلامیت اگر موجود ہو تو وہ اس حرام خوراک کو قبول کر لینے کے لیے کوئی سفارش نہیں ہے بلکہ یہ ظاہر فریبیاں اس معاملے کو اور بھی زیادہ پُرخطر بنا دیتی ہیں۔ لہٰذا ہم کسی ایسی ظاہری تبدیلی پر نہ خود مطمئن ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کو مطمئن ہوتے دیکھ سکتے ہیں جس میں یہ فاسد نظام تو جُوں کا تُوں قائم رہے اور صرف اُس کے چلانے والے ہاتھ بدل جائیں۔ ہماری نظر ہاتھوں پر نہیں بلکہ اُن اُصولوں پر ہے جن پر زندگی کا نظام چلایا جاتا ہے۔ وہ اصول اگر فاسد ہوں تو ہم اُن کے خلاف جنگ جاری رکھیں گے اور انہیں صالح اُصُولوں سے بدلنے کی کوشش کریں گے۔

از سیّد ابوالاعلیٰ مودودی
جماعتِ اسلامی کی دعوت

(ماخوذ)

# بقیہ 'عرضِ احوال' صنا سے آگے

کیا اور بعض اضافے خود کئے ــــ اور اسے متعدّد اقساط میں 'میثاق' میں شائع کر دیا۔ الحمد للہ کہ اس کو بہت ہی پسند کیا گیا۔ دوسرے احباب و رُفقاء کی پسندیدگی اپنی جگہ لیکن راقم کو دو بزرگوں کی تحسین سے بہت اطمینان ہوا۔ ایک ڈاکٹر شیر بہادر خان پنّی از ایبٹ آباد اور دوسرے ڈاکٹر عبداللطیف خان صاحب آف کویت جواب کراچی میں مقیم ہیں۔ اِن دونوں کی عمریں ستّر سال سے متجاوز ہیں اور اپنے دینی شغف اور ذوقِ مطالعہ کے باعث گذشتہ ایک صدی کا پُورا دینی لٹریچر جو اُردو زبان میں طبع ہوا اُن کی نظر سے گذرا ہے۔ ان دونوں حضرات نے جن شاندار الفاظ میں اس مضمون کی تحسین فرمائی، اُن کا نقل کرنا خودستائی بن جائے گا۔ بہرحال کُل تعریف اور تمام شکر و سپاس کا سزاوار حقیقی اللہ تعالیٰ ہے جو خود سُجھاتا بھی ہے اور لکھواتا اور بُلواتا بھی، اور پھر خود ہی قدر افزائی کرتا بھی ہے اور کرواتا بھی! بقولِ شاعر ؎ نہ کس می دِہاند نہ کس می دہد ❖ خدا می دِہاند خُدا می دہد ! ــــ دوسری قابلِ ذکر قدر دانی اس ضمن میں جناب حنیف رامے صاحب کے برادرِ بزرگ چودھری رشید احمد صاحب مالک مکتبہ جدید پریس لاہور کی جانب سے ہوئی جن کا ارادہ ہے کہ اِس کتابچے کو خود اپنے اہتمام میں نہایت اعلیٰ اور حسین طباعت کے ساتھ شائع کریں جس کی اجازت راقم نے ان کو دے دی ہے ــــ مزید اطّلاع یہ کہ اس محرّم میں 'بزمِ ثانی اثنین لاہور' نے اس کتابچے کو دو ہزار کی تعداد میں طبع کرا کے مُفت تقسیم کیا۔ اللہ تعالیٰ اِس بزم کے کارکنوں کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ آمین !

---

'اسلام اور پاکستان' کے موضوع پر ایک مفصّل تحریر کا وعدہ کئی ماہ سے مؤخر ہوتا چلا آرہا ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے ۲۷ ر نومبر کو چوتھی سالانہ 'قرآن کانفرنس' کے اختتامی اجلاس سے راقم نے اس موضوع پر مفصّل خطاب بھی کیا تھا لیکن اُس کی تسوید کے لئے ان مصروفیات و مشاغل کے باعث جن کا اجمالی خاکہ سامنے آچکا ہے، ضروری سکون و اطمینان حاصل نہ ہو سکا۔ اب اِن شاء اللہ العزیز آئندہ اشاعت میں یہ وعدہ بھی پُورا ہو گا اور مزید برآں ملکی حالات میں جو تبدیلیاں رُونما ہوئی ہیں اور اہم واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں، اُن کے بارے میں بھی اپنا نقطۂ نظر پیش کیا جائے گا ــــ !

درحقیقت دنیوی علوم نے جتنی ترقی کی ہے، انسان کا امن و سکون اتنا ہی کم ہو گیا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی ترقی کے نئے افق چھو رہے ہیں، عمرانی اور اقتصادی علوم حیرت انگیز ترقی کر رہے ہیں اور فکر و نظریہ کی نئی راہیں تلاش کی جا رہی ہیں۔ مگر اس تمام تر ترقی کے باوجود اس کائنات کا بنیادی رکن انسان ابھی تک تاریک راہوں پر بھٹک رہا ہے۔ اس کو اس وقت ایسے نور ہدایت کی ضرورت ہے جو مادی تقاضوں کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی ضرورتیں بھی پوری کر سکے۔ میرا ایمان ہے کہ یہ نور ہدایت صرف قرآن پاک ہی مہیا کرتا ہے۔

دوسروں تک یہ نور ہدایت پہنچانے سے قبل اشد ضروری ہے کہ ہم خود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسے جاری و ساری کریں کیونکہ بحیثیت مسلمان اور پاکستانی ہم اس کا وعدہ کر چکے ہیں۔ ہماری اپنی فلاح اور نجات اسی میں ہے کہ ہم قرآن حکیم کی دی ہوئی روشنی سے اپنی زندگیوں کو منور کریں۔

میری دعا ہے کہ قرآن حکیم کی روشنی پھیلانے کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کے رفقاء جو چوتھی سالانہ کانفرنس ۲۵ - نومبر سے منعقد کر رہے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ انہیں مکمل کامیابی عطا فرمائے اور اسلام کی خدمت کے لیے انہیں مزید حوصلہ، ہمت اور توفیق عطا فرمائے"۔

**محمد ضیاء الحق**

## اطلاع

**مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی مجلس منتظمہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۳۰ - جنوری ۷۸ء میں فیصلہ کیا ہے کہ :-**

۱ - انجمن کی پانچویں سالانہ قرآن کانفرنس اواخر مارچ ۷۸ء میں کراچی میں منعقد ہوگی اور اس کے اہتمام و انتظام کی پوری ذمہ داری قاضی عبدالقادر صاحب، ناظم کراچی آفس پر عاید ہوگی۔

۲ - انجمن کا سالانہ اجلاس عام ۳۱ - مارچ ۷۸ء بروز جمعۃالمبارک صبح ۸ بجے دفتر انجمن، ۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوگا۔ جس میں انجمن کی مجلس منتظمہ کا دو سالہ انتخاب بھی ہوگا۔

۳ - وسط فروری سے وسط مارچ تک ان شاءاللہ العزیز مسجد شہداء ریگل چوک میں روزانہ بعد نماز مغرب درس قرآن ہوگا جس میں منتخب نصاب سلسلہ وار بیان کیا جائے گا اس کے لئے کوشش کی جائے گی کہ منتخب نصاب علیحدہ کتابی صورت میں طبع بھی ہو جائے۔

**محمد بشیر ملک، معتمد انجمن**

Regd. L. No. 7360

Monthly MEESAQ Lahore

Vol. 27 | JANUARY 1978 | No. 1

# مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے زیر اہتمام

چوتھی سالانہ

# قرآن کانفرنس

منعقدہ ۲۵ تا ۲۷ - نومبر ۱۹۷۷ء کے موقع پر

چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر و چیف آف دی آرمی اسٹاف

## جناب جنرل محمد ضیاء الحق کا پیغام

☆

''قرآن حکیم کی روشنی ہمارا دائمی سرمایہ ہے اور اس کی روشنی پھیلانا نہ صرف کارثواب بلکہ ذریعہ نجات بھی ہے۔ قرآن مجید کی ترویج و تفہیم کے سلسلے میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ہر سال قرآن کانفرنس منعقد کرتی ہے جو ایک قابل قدر اقدام ہے۔ میں اس کے منتظمین کو اس کار خیر پر مبارک باد دیتا ہوں۔

میرے نزدیک قرآن پاک کا یہ ایک اعجاز ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے فلاح و نجات کا جو نسخہ عرب کے ایک امی شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیش کیا تھا وہ آج بھی جب کہ دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے قابل عمل اور باعث نجات ہے۔

(بقیہ اس صفحے کی پشت پر دیکھیے)